بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ظفر احمد ☆

السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

(توقیتی مطالعہ)

چھٹی قسط

سال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۸۔۹ ہجری قمری بمطابق ۶۲۹۔۶۳۰ عیسوی جیولین

۱۔ سریہ ذات السلاسل:

سلاسل وادی القریٰ سے آگے قبیلہ جذام کے علاقے میں مدینہ منورہ سے دس روز کی مسافت پر واقع ایک کنویں کا نام تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ قبیلہ قضاعہ کے لوگ مدینے پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے مقابلے کے لئے آپ نے تین سو مہاجرین وانصار کو حضرت عمروؓ بن العاص کی زیر امارت روانہ فرمایا۔ لشکر میں تیس گھوڑے بھی تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کی دادی کا تعلق قبیلہ بلی سے تھا۔ انہیں امیر جیش بنانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قبائل بلی، عذرہ اور بلقین کے لوگ مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کا ساتھ نہ دیں۔ مسلمان رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ جب دشمن کے علاقے میں پہنچے تو دشمن کی بڑی تعداد کے پیش نظر حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت رافعؓ بن مکیث جہنی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کمک طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی زیر امارت دوسو فوجیوں کی کمک روانہ فرمائی۔

☆ سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ایس ای کالج، بھاولپور

اس فوج میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر مہاجرین کے علاوہ سرداران انصار بھی تھے۔ ابوعبیدہؓ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ عمروؓ بن العاص سے جاملیں اور آپس میں اختلاف نہ کریں۔ وہاں پہنچ کر حضرت ابوعبیدہؓ نے نماز کی امامت کرنا چاہی لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ آپ صرف کمک لے کر آئے ہیں، لشکر کی کمان میرے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے نماز حضرت عمروؓ بن العاص ہی پڑھاتے رہے۔ کمک آجانے کے بعد مسلمان بنوقضاعہ کے علاقے میں دور تک داخل ہوگئے جہاں قبائل قضاعہ، عاملہ، لخم اور جذام کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ دشمن مغلوب ہوا اور اس کا لشکر ادھر ادھر منتشر ہوگیا۔ یہ سریہ جمادی الاخریٰ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ذی قعدہ ۸ ہجری قمری بمطابق فروری/ مارچ ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے جو سریہ موتہ سے کوئی چھ ماہ بعد پیش آیا لیکن دوتقویمی التباس کی بنا پر سیرت نگاروں نے یہ غلط سمجھ لیا کہ سریہ موتہ سے اگلے ماہ یہ سریہ ہوا تھا۔ مزید وضاحت توقیتی مباحث میں آئے گی۔

۲۔ سریہ ابوقتادہ بن ربعی انصاریؓ (مہم خضِرہ):

حضرت ابوقتادہؓ کی زیر امارت سولہ آدمیوں پر مشتمل یہ سریہ خضرہ کی جانب روانہ کیا گیا تھا جو نجد کے علاقے میں بنومحارب کی زمین تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ خضرہ کے مقام پر بنوغطفان مسلمانوں کے خلاف لشکر جمع کررہے ہیں۔ اس سریے میں دشمن کو شکست ہوئی۔ ان کے متعدد آدمی قتل ہوئے اور بہت سے قیدی بنائے گئے۔ دوسو اونٹ اور دو ہزار بکریاں غنیمت میں حاصل ہوئیں ہر آدمی کو بارہ اونٹ ملے۔ ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔ اس مہم میں حضرت ابوقتادہؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کوئی پندرہ دن تک مدینے سے باہر رہے۔ یہ سریہ زمنی ترتیب کے مطابق شعبان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق محرم ۹ ہجری قمری بمطابق اپریل/مئی ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۳۔ سریہ ابوقتادہ انصاریؓ (مہم بطن اضم):

اوائل رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق صفر ۹ ہجری قمری بمطابق اواخر مئی ۶۳۰ عیسوی جیولین میں مدینے سے کوئی ۳۶ میل کے فاصلے پر واقع ایک وادی بطن اضم کی جانب یہ سریہ حضرت ابوقتادہ انصاریؓ کی زیر کمان روانہ فرمایا گیا۔ ان کے ہمراہ آٹھ آدمی تھے۔ چونکہ ان دنوں قریش مکہ نے صلح نامہ حدیبیہ توڑ ڈالا تھا، اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مکہ فتح کرنے کا ہوا۔ آپ ﷺ نے یہ سریہ

اس لئے روانہ فرمایا کہ قریش کو مسلمانوں کی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کا علم نہ ہو سکے اور وہ یہ خیال کریں کہ آپ ﷺ کا مکہ پر حملہ کرنے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس لئے اس سریے میں کسی سے مقابلے کی کوئی نوبت نہیں آئی۔ تاہم اس سریے میں محلمؓ بن جثامہ نے ایک شخص عامر بن اضبط کو پرانی دشمنی کی بنا پر قتل کرڈالا، حالانکہ عامر نے اسلامی دستور کے مطابق سلام کیا تھا۔ اس پر قرآن حکیم میں حکم نازل ہوا کہ جو تمہیں سلام کرے اسے (بلا تحقیق) یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے (۱) محلم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا کہ آپ ﷺ اس کے لئے استغفار فرمائیں لیکن آپ ﷺ نے تین بار فرمایا "اے اللہ! محلم کو نہ بخش" وہ روتا ہوا واپس چلا گیا۔ بقول ابن اسحٰق اس کی قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ بعد میں اس کے لئے آپ ﷺ نے دعائے مغفرت فرمادی تھی۔ (۲) جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لئے نکلے تو اس سریے میں شامل لوگ بھی آپ ﷺ سے آملے۔

۴۔ غزوہ فتح مکہ:

۶ ہجری میں صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر بنوخزاعہ مسلمانوں اور بنوبکر قریش مکہ کے ساتھ شامل ہو کر معاہدے کے فریق بن گئے تھے۔ تقریباً دو سال بعد ہی بنوبکر نے اپنی قدیم عداوت کی بنا پر نوفل بن معاویہ ویلی کی سربراہی میں بنوخزاعہ پر شعبان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق محرم ۹ ہجری قمری بمطابق اپریل/مئی ۶۳۰ عیسوی جیولین میں رات کی تاریکی میں اچانک حملہ کردیا۔ بنوخزاعہ اس وقت وتیر نامی ایک چشمے پر خیمہ زن تھے۔ قریش نے درپردہ بنوبکر کی پوری مدد کی۔ قریش میں سے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر قریش کے سفیر اور قریش کی طرف سے معاہدے پر دستخط کرنے والے سہیل بن عمرو نے اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ بھیس بدل کر بنوبکر کا ساتھ دیا۔ بنوخزاعہ نے جنگ سے بچنے کے لئے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور کہا "اے نوفل! اب تو ہم حرم میں داخل ہو گئے ہیں۔ تمہارا الٰہ (معبود) تمہارا الٰہ" مگر نوفل نے جواب میں کہا "اے بنوبکر! آج کوئی الٰہ نہیں تم بنوخزاعہ سے اپنا بدلہ چکالو جب تم حرم میں چوری کرلیتے ہو تو حرم میں اپنا بدلہ کیوں نہیں لے سکتے؟" اس پر بنوخزاعہ نے مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام رافع کے گھر میں پناہ لی۔ عمرو بن سالم خزاعی نے چالیس ناقہ سواروں کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد نبوی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں بنوخزاعہ کی مظلومیت کا شاعری میں نہایت مؤثر انداز میں تذکرہ کیا۔ چند اشعار یہ ہیں:

یــا ربّ انــی نــاشـد مـحـمـدا حـلـفـنـا و حـلف ابیـه الا تلدا

فـانـصُرُ هـداک الله نصراً ایدا و ادع عبـاد الـلـه یـأتـوا مددا

ان قـریشـا اخـلـفوک الموعدا و نـقـضـوا میثـاقک الـمو کّدا

وجـعـلـوا لـی فـی کداء رصدا و زعـمـوا ان لسـت ادعوا احدا

وهـم اذل و اقـل عـددا بیّتـونـا بـالـوتیر هـجـدا

وقتـلـونـا رکّـعـا و سُـجّـدا

''اے میرے پروردگار! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے ہم سے عہد اور ان کے والد کے پرانے عہد کی دہائی دے رہا ہوں (یعنی عبدالمطلب کے زمانے سے چلے آرہے بنوخزاعہ اور بنو ہاشم کے مابین عہد کا واسطہ دیتا ہوں) اللہ آپ کو ہدایت دے، ہماری پرزور مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو بلائیے کہ وہ مدد کے لئے آئیں۔ بے شک قریش نے آپ ﷺ سے کئے گئے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے اور انہوں نے آپ ﷺ سے کیا گیا اپنا پختہ وعدہ توڑ ڈالا ہے۔ انہوں نے میرے لئے کدا میں گھات لگائی اور یہ خیال کیا کہ میں کسی کو (مدد کے لئے) نہیں پکاروں گا۔ حالانکہ وہ نہایت ذلیل اور تعداد میں بہت کم ہیں۔ انہوں نے مقام وتیر میں ہم پر شب خون مارا اور ہمیں اس حال میں قتل کیا کہ ہم رکوع اور سجدے میں تھے (یعنی ہم مسلمان ہیں اسی لئے ہمیں قتل کیا گیا)'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ کی عہد شکنی پر سخت صدمہ ہوا آپ نے فرمایا ''اے عمرو بن سالم! تیری مدد کی گئی''۔

اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی کی سرکردگی میں بھی یہ لوگ مدینہ پہنچے اور آپ ﷺ کو تازہ ترین حالات سے باخبر کیا۔ آپ ﷺ نے قریش کو پیغام بھیجا کہ مقتولین کی دیت ادا کی جائے اور اگر بنوبکر آئندہ جنگ جاری رکھیں تو ان کی مدد نہ کی جائے۔ اگر یہ منظور نہیں تو صلح حدیبیہ کے ٹوٹ جانے کا اعلان کردیا جائے۔ قریش کے ناتجربہ کار جوشیلے نوجوانوں نے اعلان کردیا کہ جاؤ، معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔ لیکن بعد میں سرداران قریش کو ندامت ہوئی اور انہوں نے ابوسفیان سردارِ مکہ کو تجدیدِ عہد کے لئے مدینہ بھیجا۔ ابوسفیان کی عسفان کے مقام پر مدینہ سے ہوکر آنے والے بدیل بن ورقاء خزاعی سے ملاقات ہوئی

ابوسفیان کے پوچھنے پر بدیل بن ورقاء نے بات ٹال دی۔ بعد میں ابوسفیان اس جگہ گیا جہاں بُدیل نے اپنا اونٹ بٹھایا تھا۔ اونٹ کی مینگنی کو توڑ کر دیکھا تو اس میں کھجور کی گٹھلی نظر آئی اور ابو

سفیان کو یقین ہوگیا کہ بُدیل مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس آرہا تھا۔ ابوسفیان مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو ام المؤمنین نے بستر لپیٹ دیا۔ باپ کو ناگوار گزرا تو اسے یہ جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تم ایک ناپاک مشرک ہو۔ ابوسفیان وہاں سے ناراض اور افسردہ ہوکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جہاں سے کوئی جواب نہ ملنے پر وہ بالترتیب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے پاس گیا لیکن دونوں نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا پھر وہ حضرت علیؓ کے پاس گیا مگر بات نہ بنی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔ ان کے کم سن صاحبزادے حضرت حسنؓ بھی وہیں تھے۔ ابوسفیان نے حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ بچہ فریقین میں صلح کی بحالی کا اعلان کردے تو ابھی سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرا بچہ ابھی اس درجے کو نہیں پہنچا ہے۔

ابوسفیان نے سخت مایوسی کے عالم میں پھر حضرت علیؓ سے پھر رہنمائی چاہی تو حضرت علیؓ نے فرمایا ''تم بنوکنانہ کے سردار ہو لہذا کھڑے ہوکر لوگوں میں امان کا اعلان کر کے چلے جاؤ۔ ایسا کرنا گو مفید نہ ہو لیکن اس کے بغیر کوئی اور چارہ بھی نہیں''۔ ابوسفیان نے مسجد نبوی میں جا کر مذکورہ اعلان کر دیا اور مکہ واپس جا کر لوگوں سے واقعہ بیان کیا تو سب نے یہ کہا کہ اس شخص (حضرت علیؓ) نے تیرے ساتھ مذاق کیا ہے، یہ نہ تو صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں اور نہ ہی جنگ ہے کہ اس کے لئے تیاری کی جائے۔

ادھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مکہ کے لئے تیاری کا حکم دیا اور اتحادی قبائل کو بھی پیغام بھیج دیا کہ وہ بھی تیار ہوکر ساتھ دیں۔ ساتھ ہی دعا فرمائی کہ اے اللہ! جاسوسوں اور مُخبروں کو قریش تک پہنچنے نہ دے تاکہ ہم ان کے سر پر اچانک جا پہنچیں۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو سخت احتیاط کا حکم دیا کہ مکہ والوں کو ہماری تیاری کا علم نہ ہونے پائے۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز بدری صحابی تھے وہ اگرچہ قریشی نہیں تھے لیکن ان کے بعض اقارب مکے ہی میں تھے۔ انہوں نے قریش کو ایک مخفی خط لکھا اور اسے پہنچانے کے لئے ایک عورت کو دیا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس لئے اپنی حفاظت کا کوئی بندوبست کرلو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم بذریعہ وحی ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت ابومرثد غنویؓ کو بھیجا کہ تمہیں روضہ خاخ کے مقام پر ایک ہودج نشین عورت ملے گی جو قریش کے نام ایک خط لے

جارہی ہے، اسے روک لیا جائے۔ جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو اس عورت نے ٹال مٹول سے کام لینے کی کوشش کی۔ حضرت علیؓ نے اسے دھمکایا کہ تو جھوٹ بول رہی ہے، تو نے خط ہمارے حوالے نہ کیا تو ہم تجھے ننگا کردیں گے اور یہ خط ڈھونڈھ نکالیں گے۔ اس پر اس نے ان حضرات سے کہا ''اچھا، اپنا منہ ادھر پھیرو'' پھر اس نے بالوں کی چوٹی سے خط نکال کر ان کے حوالے کردیا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا گیا۔ حضرت حاطبؓ کی جواب طلبی ہوئی تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں۔ اللہ کی قسم! میرا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے، میں مرتد نہیں ہوا اور نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ میں قبیلۂ قریش سے نہیں ہوں مگر مکے میں میرے اہل وعیال ہیں۔ قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ ان کی حفاظت کریں جب کہ دوسرے لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، مکہ میں ان کے اقارب کی حفاظت کرنے والے موجود ہیں، میں نے قریش پر احسان کرنا چاہا تا کہ وہ اس کے صلے میں میرے اقارب کی حفاظت کریں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت حاطبؓ کو منافق قرار دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اہل بدر میں سے ہے اور اے عمر! تمہیں کیا علم؟ ہوسکتا ہے اللہ نے اہل بدر کو دیکھ کر کہا ہو کہ تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔ حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول (ہم سے) بہتر جانتے ہیں۔

مدنی رؤیت ہلال کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ۱۰ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۱۰ صفر ۹ ہجری قمری بمطابق ۳۰ مئی ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز بدھ مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مکی رؤیت ہلال کے مطابق یہ تاریخ ۱۱/ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی تھی۔ مدینہ منورہ میں چاند ایک دن کی تاخیر سے نظر آیا تھا۔ مدینہ میں آپ ﷺ نے حضرت ابورھم غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جحفہ میں یا اس سے کچھ اوپر آپ ﷺ کی ملاقات اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے ہوئی جو اپنے اہل وعیال سمیت مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں (اس زمانے کا) آخری مہاجر اور ان کی ہجرت مدینہ کو آخری ہجرت قرار دیا۔ یہیں سے حضرت عباسؓ آپ ﷺ کے ساتھ مل گئے اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے ابواء کے مقام پر آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ سے سامنا ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا کیونکہ یہ دونوں آپ ﷺ کو سخت تکلیف پہنچاتے رہے تھے اور آپ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ امّ المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے ان دونوں کی آپ ﷺ سے ان کی قرابت کے حوالے سے سفارش کی۔

ادھر حضرت علیؓ نے ابوسفیان بن حارث کو سکھایا کہ تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی کہو جو برادرانِ یوسفؑ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا تااللہ لقد آثرک اللہ علینا وان کنا لخاطئین (۳) ''اللہ کی قسم! بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی ہے اور بے شک ہم خطا کار ہیں''۔

ابوسفیان بن حارث نے یہی کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ (۴)

تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

ابوسفیان بن حارث نے اس موقع پر آپ ﷺ کو کچھ اشعار بھی سنائے جن میں ایک شعر یہ بھی تھا:

ھدانی ھاد غیر نفسی و دلّنی علی اللہ من طردتہ کل مطرد

مجھے میرے نفس کی بجائے ایک ہادی نے ہدایت دی اور اللہ کا راستہ مجھے اسی نے بتایا جسے میں نے ہر موقع پر پوری طرح دھتکار دیا تھا۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ضرب لگاتے ہوئے فرمایا کہ تم نے مجھے ہر موقع پر دھتکار دیا تھا۔ بعد میں ابوسفیانؓ بن حارث کے اسلام میں بڑی پختگی آ گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جنت کی بشارت دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ یہ حمزہؓ کا بدل ثابت ہوں گے۔

آپ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ عُسفان اور قُدید کے درمیان کدید نامی ایک چشمے پر آپ ﷺ نے شدید گرمی کی وجہ سے روزہ توڑ دیا اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے اصحاب نے بھی روزہ توڑ دیا۔ دورانِ سفر رات کے ابتدائی اوقات میں مرّ الظہر ان پر نزول فرمایا۔ آپ ﷺ کے حکم پر لوگوں نے الگ الگ آگ جلائی۔ آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار کا مجمع تھا۔

حضرت عباسؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر نکلے کہ اگر کوئی لکڑ ہارا یا کوئی بھی شخص مل جائے تو وہ اہل مکہ کو مشورہ دے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکے میں داخلے سے پہلے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان طلب کریں۔ ادھر ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء

مسلمانوں کی خبریں معلوم کرنے کے لئے مکہ سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کو اسلامی کیمپ کی روشن آگ جابجا نظر آئی تو حیران و پریشان ہو کر اس کے متعلق باہم گفتگو کر رہے تھے کہ یہ کیسا لشکر اور کیسی آگ ہے۔ بدیل بن ورقاء کا خیال یہ تھا کہ یہ بنوخزاعہ ہیں جب کہ ابوسفیان اس سے متفق نہیں تھا۔ دریں اثناء حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو آواز دی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا "یہ لوگوں سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہائے قریش کی بربادی۔ واللہ" حضرت عباسؓ کے مشورے پر امان طلبی کے لئے ابوسفیان ان کے پیچھے خچر پر بیٹھ گیا۔ حضرت عباسؓ جب بھی اسلامی لشکر کے کسی الاؤ کے پاس سے گزرتے تو لوگ پہلے تو چوکنا ہو جاتے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر آپ ﷺ کے چچا کو سوار دیکھ کر مطمئن اور خاموش ہو جاتے کہ اتنے میں حضرت عمر فاروقؓ نے ابو سفیان کو پہچان لیا۔ انہیں نہایت خوشی ہوئی کہ ابوسفیان کو قتل کرنے کا سنہری موقع ہاتھ آیا ہے۔ اس پر حضرت عباسؓ نے خچر کو ایڑ لگائی اور جلدی جلدی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ پیچھے حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے جو ابوسفیان کو قتل کرنے کے درپے تھے، لیکن حضرت عباسؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے ابوسفیان کو امان دی ہے۔ آپ ﷺ کے حکم پر حضرت عباسؓ، ابو سفیان کو لشکر میں اپنی قیام گاہ پر لے گئے۔ اگلی صبح انہوں نے ابوسفیان کو آپ ﷺ کے سامنے دوبارہ پیش کیا۔ ابوسفیان اسلام قبول کرنے میں ابھی ہچکچا رہا تھا۔ حضرت عباسؓ نے اسے کہا کہ گردن مارے جانے سے پہلے اسلام قبول کر لو۔ اس پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباسؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان اعزاز پسند ہے اس لئے اس کی عزت افزائی فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں گھس جائے اسے امان ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے بروایت سعید بن مسیّب بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کی رات جب مسلمان مکے میں داخل ہوئے تو صبح تک تکبیر و تہلیل کہتے رہے اور خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول رہے۔ ابوسفیان نے اپنی بیوی ہند سے پوچھا "کیا تو یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے خیال کرتی ہے؟" ہند نے ہاں میں جواب دیا۔ جب صبح ہوئی اور ابوسفیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ابوسفیان کو اپنی بیوی ہند سے رات والے مکالمے کا بتایا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں، اللہ کی قسم! میری بات سوائے ہند کے کسی اور نے نہیں سنی تھی۔

حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دیا تا کہ اسلامی فوج کی قوت اور شان و شوکت کا وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکے۔ قبائل اپنے اپنے جھنڈے لے کر گذرتے تو حضرت عباسؓ اسے بتاتے جاتے کہ یہ فلاں قبیلہ اور یہ فلاں قبیلہ ہے۔ پھر مہاجرین و انصار کا دستہ گزرا۔ ابوسفیان اتنے عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر سخت مرعوب ہورہا تھا کہ اسی اثنا میں انصار کے علم بردار حضرت سعدؓ بن عبادہ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا **الیوم یوم الملحمۃ الیوم یوم تستحل الحرمۃ** ''آج کا دن لڑائی کا دن ہے آج کے دن حرمت حلال سمجھی جائے گی''۔ پھر جب وہیں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستے کا گذر ہوا جس کے علم بردار حضرت زبیرؓ تھے تو ابوسفیان نے پکار کر کہا ''یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے وہ بات سنی ہے جو سعد نے کہی ہے؟'' آپ ﷺ نے پوچھا ''سعد نے کیا کہا ہے؟'' ابوسفیان نے عرض کیا ''یہ اور یہ کہا ہے'' حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعد قریش کے اندر خون خرابہ نہ شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں، آج کا دن وہ دن ہے جس میں کعبہ کی تعظیم کی جائے گی، آج کا دن وہ دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا'' آپ ﷺ نے ایک آدمی بھیج کر حضرت سعدؓ سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے حضرت قیسؓ کے حوالے کر دیا یعنی جھنڈا گویا حضرت سعدؓ کے ہاتھ سے نہیں نکلا اور آپ ﷺ کا مقصد بھی پورا ہو گیا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزر چکے تو حضرت عباسؓ نے ابوسفیان سے کہا کہ اب دوڑ کر قوم کے پاس جاؤ۔ ابوسفیان نے تیز رفتاری سے مکہ میں آ کر اعلان کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا بڑا لشکر لے کر آرہے ہیں کہ تم میں ان کے مقابلے کی تاب نہیں جو بھی میرے (ابوسفیان) کے گھر گھس جائے اسے امان ہے۔ اس پر اس کی بیوی ہند بنت عتبہ نے اسکی مونچھ پکڑ کر لوگوں سے کہا کہ مشک کی طرح چربی سے بھرے ہوئے اس پتلی پنڈلیوں والے کو مار ڈالو، ایسے پیشگی مخبر کا برا ہو۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ عورت تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ لوگوں نے کہا کہ تمہارا مکان کتنے آدمیوں کو پناہ دے سکتا ہے؟ اس پر ابوسفیان نے کہا جو اپنا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔ یہ سن کر سب لوگ پناہ کے لئے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہر ان سے ذی طویٰ پہنچے۔ آپ ﷺ نے ازراہ تواضع اپنا سر مبارک اتنا جھکا رکھا تھا کہ ریش مبارک کے بال کجاوے کی لکڑی کو چھو رہے تھے۔ ذی طویٰ میں آپ ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ میمنہ پر حضرت خالدؓ بن ولید تھے۔ اسلم، سُلیم، غِفار، جہنیہ،

مُزینہ اور کچھ دیگر قبائل عرب ان کی زیر کمان تھے۔ انہیں حکم تھا کہ وہ مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہو کر صفا میں آپ ﷺ سے آملیں۔ میسرہ پر حضرت زبیرؓ بن العوام تھے جن کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تھا انہیں حکم تھا کہ مکہ میں بالائی حصے یعنی کداء سے داخل ہو کر حجون کے مقام پر جھنڈا نصب کریں۔

حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح پیدل فوج کے سربراہ تھے۔ انہیں بطن وادی کے راستے سے مکہ میں داخل ہونا تھا۔ تمام لشکر نے ان ہدایات پر عمل کیا حضرت زبیرؓ نے حجون میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اگاڑا اور آپ کے لئے ایک قُبّہ نصب کیا حضرت زبیرؓ وہیں انتظار میں رہے یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ۲۰ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۲۰ صفر ۹ ہجری قمری بمطابق ۸ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز جمعۃ المبارک (بلحاظ مکی رویت ہلال) مکہ میں تشریف فرما ہوئے۔

اگرچہ اہل مکہ نے خائف و مرعوب ہو کر پہلے ہی سے اپنے سردار ابوسفیان کے مشورے پر اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام میں پناہ لے رکھی تھی لیکن کچھ جو شیلے لوگوں نے مسلمانوں سے مقابلے کا عزم ظاہر کیا۔ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کی زیر قیادت یہ لوگ اکٹھے ہوئے۔ ان میں بنوبکر کا ایک شخص حماس بن قیس بھی تھا جو کئی دنوں سے اپنے ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرتا رہا تھا۔ بیوی کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے مقابلے کا ارادہ ہے۔ بیوی نے سمجھایا کہ تمہارے لئے یہ ممکن نہیں تو اس نے اشعار میں اپنے ہتھیاروں کی تعریف کی۔ خندمہ میں حضرت خالدؓ بن ولید کا سامنا جنگ کے خواہاں قریش کے ان لوگوں سے ہوا تو معمولی جھڑپ میں ہی بارہ مشرک مارے گئے اور باقی سب پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ حماس بن قیس بھی ہانپتا کانپتا اپنے گھر میں پناہ گزیں ہوا تو بیوی نے اب بھی اشعار ہی میں مسلمانوں کے حملے کی شدت اور اپنی کمزوری و زبوں حالی کا تذکرہ کیا۔ البتہ حضرت خالدؓ کے رفقاء میں سے حضرت کرزؓ بن جابر فہری اور خنیسؓ بن خالد بن ربیعہ شہید ہوئے کیونکہ یہ دونوں لشکر سے بچھڑ کر کسی دوسرے راستے پر ہولئے تھے کہ انہیں شہید کر دیا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے ہمراہ بیت اللہ میں تشریف لائے۔ حجر اسود کو چوما اور طواف فرمایا۔ بیت اللہ کے اردگرد اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی جس سے بتوں کو ٹھوکر مار کر گراتے گئے۔ یہ بت اس ٹھوکر سے منہ کے بل گر رہے تھے اور آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات تھے جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا 'حق آ گیا اور باطل چلا گیا اور باطل جانے والی چیز ہے''۔ جاء الحق وما یبدئ الباطل و ما یعید ''حق آیا اور

باطل کا عمل دخل ختم ہوا''اونٹنی پر طواف مکمل کرنے کے بعد آپ ﷺ نے بیت اللہ کے کلید بردار عثمانؓ بن طلحہ سے چابی حاصل کر کے اسے کھولا اور اس کے اندر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصاویر آپ ﷺ کے حکم سے مٹادی گئیں۔ان تصاویر کے ہاتھوں میں فال نکالنے کے تیر بھی تھے۔آپ نے فرمایا''اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے اللہ کی قسم! ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کئے''۔خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری کو دیکھا تو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے توڑ ڈالا۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔حضرت اسامہ بن زیدؓ حضرت بلالؓ اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ بھی اندر ہی تھے۔آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھی پھر بیت اللہ کے اندرونی حصے میں تمام گوشوں میں تکبیر و تحمید کے کلمات کہے۔اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔آپ ﷺ کے سامنے قریش بہت بڑی تعداد میں مسجد حرام میں جمع تھے۔آپ ﷺ نے دروازے کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر ان سے یوں خطاب فرمایا''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے ہی ساری جماعتوں کو شکست دی۔سنو! بیت اللہ کی کلید برداری اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کے علاوہ سارا اعزاز یا کمال یا خون میرے پاؤں کے نیچے ہے۔یاد رکھو قتل خطا، قتل شبہ عمد میں جو کوڑے اور لاٹھی سے ہو، مُغلّظ دیت ہے یعنی سو اونٹ جن میں سے چالیس اونٹنیوں کے پیٹ میں ان کے بچے ہوں۔اے قریش کے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور باپ دادے پر فخر کو ختم کر دیا ہے۔سب لوگ آدمؑ سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے ہیں''۔اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی،یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ O ''اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہیں ذاتوں اور قبیلوں میں اس لئے کر دیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔بے شک اللہ جاننے والا (اور) باخبر ہے''۔اس کے بعد آپ ﷺ نے حاضرین سے دریافت فرمایا''بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟''انہوں نے کہا''آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا''میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی لاتثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء'' آج تم پر کوئی الزام نہیں، تم آزاد ہو''اہل مکہ نے مہاجرین کے مکانوں اور جائیدادوں پر قبضہ کر رکھا تھا لیکن ان سے کچھ بھی واپس نہ لیا گیا۔

فتح مکہ کے روز ایک شخص آپ ﷺ سے گفتگو کے دوران کانپنے لگا آپ نے فرمایا کہ مطمئن رہو میں بادشاہ نہیں میں تو ایک معمولی عورت کا بیٹا ہوں۔ الغرض آپ ﷺ نے نہایت تواضع اور محبت وشفقت کا اہل مکہ سے اظہار فرمایا، اس کے بعد حضرت علیؓ اور ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ حاجیوں کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ ہمارے لئے خانہ کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی جمع فرمادیجئے۔ لیکن آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی کنجی عثمانؓ بن طلحہ ہی کو واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کا دن نیکی اور وفاداری کا دن ہے یہ چابی تم ہمیشہ کے لئے لو، تم لوگوں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا'' یہ وہی عثمانؓ بن طلحہ ہیں جن کا خاندان بیت اللہ کا کلید بردار تھا۔ ہجرت سے پہلے مکی دور میں ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بیت اللہ کے اندر جانے سے روکنے کے لئے انہوں نے درشت کلامی اور ترش روئی کا مظاہرہ کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ ایک روز بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی کہ جسے چاہوں سپرد کروں۔ عثمانؓ بن طلحہ نے کہا کہ اس وقت قریش کے لوگ ہلاک اور ذلیل ہوجائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، اس دن قریش آباد اور عزت والے ہوجائیں گے۔ بعض روایات کے مطابق عثمان بن طلحہ کنجی لے کر بیت اللہ کی چھت پر چڑھ گئے تھے اور حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کے ہاتھ سے کنجی زبردستی لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ یہ روایت اگرچہ بعض تفاسیر مثلاً اردو تفسیر معارف القرآن مولنا مفتی محمد شفیع میں موجود ہے لیکن ایسی روایات ضعیف اور مرجوح ہیں حضرت عثمانؓ بن طلحہ نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے مطابق بیت اللہ کے اندر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلالؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ بن طلحہ بھی تھے (۵) البتہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی کنجی عثمانؓ بن طلحہ ہی کو واپس فرمائی۔ جب آپ ﷺ بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ آیت تھی ان اللہ یامرکم ان تؤدّوا الامٰنٰت الیٰ اھلھا الایۃ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مستحقین کے سپرد کرو۔۔ تا آخر آیت'' یہ آیت اسی روز جوف کعبہ میں نازل ہوئی اس کی تعمیل میں آپ ﷺ نے یہ کنجی دوبارہ عثمانؓ بن طلحہ ہی کے ہاتھ میں دی۔ صحیح روایات کے مطابق حضرت عثمانؓ بن طلحہ نے فتح مکہ سے پہلے حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص کے ہمراہ اسلام قبول کرلیا تھا۔

اسی روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی ہمشیرہ حضرت امّ ھانیؓ بنت ابی طالب کے

گھر تشریف لے گئے۔ غسل فرما کر وہاں چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ کسی نے اسے چاشت کی نماز اور کسی نے فتح مکہ پر شکرانے کی نماز سمجھا۔ امّ ہانیؓ نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دے رکھی تھی جن کے متعلق انہیں خوف تھا کہ حضرت علیؓ انہیں قتل کر دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے امّ ہانی! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی''۔

نماز کے وقت حضرت بلالؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بیت اللہ کے اوپر چڑھ کر اذان کہی۔ ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ عتاب نے کہا اللہ تعالیٰ نے میرے باپ اسید (کو موت سے ہم کنار کر کے اس) پر یہ احسان کیا کہ وہ یہ اذان نہ سن سکا۔ حارث نے کہا ''واللہ! اگر مجھے معلوم ہو کہ وہ حق پر ہیں تو میں ان کی پیروی کروں گا'' ابو سفیان کو پہلے ہی تجربہ ہو چکا تھا اور وہ سچے دل سے اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے انہوں نے کہا ''میں تو کچھ نہیں بولوں گا کیونکہ یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دے دیں گی'' اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں جو مجھے معلوم ہوگئی ہیں۔ اس پر عتاب اور حارث نے فوراً کہا کہ ہم آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ باتیں ہمارے سوا کسی اور کو معلوم ہی نہ تھیں کہ آپ ﷺ تک پہنچ پاتیں۔ انہی حضرت عتاب بن اسید کو آپ نے بعد میں مکہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا۔ حضرت ابوسفیانؓ کی ایک آنکھ طائف کے روز ضائع ہوگئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو تمہاری آنکھ اصل مقام پر لوٹ آئے اور چاہو تو صبر کرو اس کے بدلے میں جنت ملے گی۔ حضرت ابوسفیانؓ نے کہا کہ مجھے جنت چاہئے۔ ان کی دوسری آنکھ جنگ یرموک میں ضائع ہوگئی۔ اس جنگ میں بڑھاپے کے عالم میں بھی حضرت ابوسفیانؓ نے اپنے بیٹے یزیدؓ بن ابی سفیان کی زیر کمان بھرپور حصہ لیا تھا بلکہ ان کی بوڑھی اہلیہ حضرت ہندؓ بھی شریک جنگ تھیں اور مسلمان فوجیوں کو کفار کے خلاف غیرت دلا رہی تھیں اس سے ان کے ایمان کی پختگی ظاہر ہوتی ہے اور ان کے خلاف بعض روایات کا جھوٹا ہونا واضح ہوتا ہے۔

ارباب سیر کی روایات کے مطابق فتح مکہ کے روز آپ ﷺ نے متعدد لوگوں کا خون رائیگاں قرار دیا تھا کہ یہ لوگ جہاں بھی ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ اس سلسلے کی روایات میں اضطراب اور اختلاف ہے۔ یہ روایات قریش مکہ کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفوِ عام (Amnesty) کے اعلانِ عام سے بھی مطابقت نہیں رکھتیں لہذا نا قابل اعتماد ہیں۔ البتہ عبداللہ بن خطل اور مقیس بن صبابہ خونی مجرم

تھے جنہیں قصاص میں قتل کیا گیا۔ ابن خطل نے بظاہر اسلام قبول کیا تھا۔ ایک روز اس نے اپنے ایک مسلمان خادم کو اس لئے قتل کر دیا کہ اس نے کھانا وقت پر تیار نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے روز وہ خانہ کعبہ کے پردے سے لپٹا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک صحابی نے اسے ارتداد اور قتل کے جرم میں مار ڈالا۔ مقیس بن صبابہ بھی حضرت نمیلہؓ بن عبد اللہ کے ہاتھوں ارتداد اور قتل کے جرم میں مقتول ہوا۔ عبد اللہ بن ابی سرح نے بھی ارتداد اختیار کیا تھا، لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور اس کے لئے امان طلب کی۔ آپ ﷺ نے پہلے انتظار فرمایا کہ کوئی شخص اٹھ کر اسے قتل کر دے لیکن پھر معاف فرما دیا۔ انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور اس پر عمدگی سے قائم رہے۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ایک عظیم فاتح ثابت ہوئے۔ عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو سفیان کے ذریعہ عفو عام کے اعلان کے باوجود بھی اس اسلامی دستے سے جنگ کی تھی جو حضرت خالدؓ بن ولید کے زیر کمان تھا جس کی بناء پر وہ امان کے مستحق نہیں تھے اس لئے خوف زدہ ہو کر مکہ سے بھاگ نکلے۔ عکرمہ کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں۔ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کے لئے امان حاصل کی وہ یمن بھاگ گئے تھے۔ بیوی انہیں ڈھونڈ کر ساتھ لے آئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کو دیکھا تو انتہائی خوشی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی۔ عکرمہ نے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ صفوان بن امیہ کے لئے حضرت عمیرؓ بن وہب جُمحی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کی آپ ﷺ نے نہ صرف امان دی بلکہ علامت کے طور پر عمیرؓ کو اپنی وہ پگڑی بھی عنایت فرما دی جو آپ ﷺ نے مکے میں داخل ہوتے وقت سر پر باندھ رکھی تھی۔ عمیرؓ نے صفوان بن امیہ کو اس وقت ڈھونڈ نکالا جب وہ یمن جانے کے لئے سمندر پر سوار ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ حضرت عمیرؓ اسے واپس لے آئے۔ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دو ماہ کی مہلت طلب کی تو آپ ﷺ نے چار ماہ کی مہلت دے دی۔ بعد میں صفوان نے اسلام قبول کر لیا۔ اسکی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ ان کے سابقہ نکاح کو ہی بحال رکھا گیا۔ کعب بن زہیر شاعر تھا۔ حالت کفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گوئی میں پیش پیش رہتا تھا وہ بھی خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا لیکن بعد میں سال ۹ ہجری (قمریہ شمسی) میں اس نے مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد پیش کیا اور مشرف بہ اسلام ہوا۔ ھبالہ بن اسود، وحشی بن حرب، ہند زوجہ

ابی سفیان اگر چہ اکابر مجرمین میں شامل تھے لیکن ان سب نے اسلام قبول کرلیا۔ وحشیؓ بن حرب نے غزوہ احد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین چچا سید الشہدا حضرت حمزہؓ کو اپنا نیزہ اچھال کر شہید کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کیا تم اپنا چہرہ چھپا کر مجھے راحت نہیں دلاتے؟ یعنی میرے سامنے نہ آیا کرو مجھے اپنا چچا یاد آجاتا ہے۔ وحشیؓ کو اپنے زمانۂ کفر کی اس حرکت پر ہمیشہ ندامت رہی یہاں تک کہ اس نے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تو اس تلافی پر اسے اطمینان ہوا۔ فُضالہ بن عمیر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت قتل کرنا چاہا جب آپ بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے لیکن آپ ﷺ نے اسے بتادیا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس پر وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ فتح مکہ کے روز حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے بوڑھے باپ ابوقحافہ عثمان کو لے کر رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے آپ نے فرمایا کہ انہیں تکلیف نہ دیتے میں خود ہی ان کے پاس چلا جاتا۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ میرے باپ کو ہی آپ کے پاس آنا چاہئے تھا۔ ابوقحافہؓ نے اسلام قبول کرلیا۔

فتح کے دوسرے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا ''لوگو! اللہ نے جس دن آسمان کو پیدا فرمایا اسی روز سے مکہ کو حرمت والا شہر قرار دیا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کے سبب قیامت تک کے لئے حرام ہے۔ کسی بھی شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، یہ حلال نہیں کہ وہ اس میں خونریزی کرے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے اگر کوئی شخص اس بناء پر اسے درست سمجھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہاں قتال کیا تھا تو اسے بتادو کہ اللہ نے اپنے رسول کو (خصوصی) اجازت دی لیکن تمہیں اجازت نہیں ہے اور میرے لئے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال کیا گیا پھر آج اس کی حرمت اسی طرح عود کر آئی جیسے اسے کل حرمت حاصل تھی۔ جو یہاں موجود ہے اسے چاہئے کہ وہ غائب (غیر موجود) کو یہ بات پہنچادے۔ یہاں کا کانٹا نہ کاٹا جائے، شکار نہ بھگایا جائے اور گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے البتہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کا تعارف کرائے اور یہاں کی گھاس نہ اکھاڑی جائے''۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! مگر اذخر (گھاس کو مستثنیٰ فرمادیجئے) کیونکہ یہ روزمرہ کی ضرورت کی چیز ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''مگر اذخر''

بنوخزاعہ نے اس روز بنولیث کے ایک شخص کو اس لئے قتل کردیا کہ بنولیث نے زمانۂ جاہلیت میں ان کا ایک آدمی مار ڈالا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا ''خزاعہ کے لوگو! اپنا ہاتھ قتل سے روک

لو اگر قتل فائدہ مند ہوتا تو (اب تک) بہت قتل ہو چکا۔ تم نے ایسے شخص کو قتل کر دیا ہے کہ میں لازماً اس کی دیت ادا کروں گا۔ پھر میرے اس مقام کے بعد کسی نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیا کو دو چیزوں کا اختیار ہوگا وہ چاہیں تو قاتل کا (قصاص میں) خون بہائیں اور چاہیں تو دیت لے لیں''۔ یمن کے ابو شاہ نامی ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا ''یارسول اللہ! اسے میرے لئے لکھوا دیجئے'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ابو شاہ کے لئے لکھ دو''۔

فتح مکہ کی تکمیل پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا فرما رہے تھے۔ دریں اثنا بعض انصار نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آبائی شہر کو فتح کر لیا ہے اس لئے آپ ﷺ شاید یہیں قیام فرمائیں۔ آپ ﷺ نے انہیں یقین دلایا کہ میں انصار کے ساتھ ہی رہوں گا میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام قبول کرنے والے اہل مکہ سے صفا پر بیٹھ کر بیعت لینی شروع کی۔ حضرت عمرؓ بن خطاب آپ ﷺ سے نیچے تھے اور آپ کی طرف سے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے کہ وہ حتی الامکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ نومسلم خواتین سے بیعت بھی حضرت عمرؓ کی وساطت سے ہوئی جو انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں پہنچا رہے تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ کی زوجہ حضرت ہندؓ بنت عتبہ نے بھی بیعت کی۔ معمول کے مطابق جب دوران بیعت کہا گیا ''اور زنا نہ کرو گی'' تو ہندؓ نے کہا ''بھلا کوئی حرہ یعنی آزاد اور شریف عورت بھی زنا کرتی ہے؟'' پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا ''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی'' تو حضرت ہندؓ نے عرض کیا ''ہم نے تو بچپن میں انہیں پالا پوسا جب وہ بڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں (بدر میں) قتل کر دیا اس لئے آپ اور وہی بہتر جانیں''۔ اس پر حضرت عمرؓ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرا دیئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ''اور کوئی بہتان نہ گھڑو گی'' ہندؓ نے کہا ''واللہ! بہتان گھڑنا بہت معیوب ہے آپ ﷺ ہمیں واقعی نیکی اور عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''اور کسی نیکی کے کام میں رسول کی نافرمانی نہیں کرو گی'' اس کے جواب میں حضرت ہندؓ نے کہا، ''اللہ کی قسم! ہم اس مجلس میں دلوں کے اندر یہ بات لے کر نہیں بیٹھی ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی نافرمانی بھی کریں گی''، صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ہندؓ نے بیعت کے بعد کہا ''یارسول اللہ! روئے زمین پر جتنے بھی خیموں والے ہیں ان میں آپ کے خیمے والوں سے زیادہ ذلت کسی اور کی مجھے پسند نہ تھی

لیکن آج یہ حال ہے کہ آپ ﷺ کے خیمے والوں سے زیادہ کسی کی عزت مجھے پسند نہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرا بھی یہی حال ہے'' (۶)۔ اگرچہ اسلام قبول کرنے سے پچھلے تمام گناہ ساقط ہوجاتے ہیں پھر بھی حضرت ہندؓ کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مکالمہ صاف بتا رہا ہے کہ غزوہ احد کے ضمن میں حضرت ہندؓ کے متعلق جو روایات حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بارے میں ابن اسحٰق وغیرہ سے مؤرخین نے نقل کی ہیں وہ سب کی سب محل نظر ہیں۔ کیا یہ حضرت ہندؓ کی عجیب کرامت نہیں کہ عام لوگ تو ایک طرف رہے، بڑے نامور سیرت نگار اور اہل علم تک ''ہند'' کو صحیح نام کی بجائے ''ہندہ'' بولتے اور لکھتے ہیں؟ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ ہے کہ تم تو اس حوصلہ مند صحابیہ کا نام تک نہیں جانتے ان کے کسی کام (فعل) کے متعلق تمہاری رائے کی بھلا کیا وقعت ہے؟۔ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی بن حرب کا اسلام تو قبول کیا لیکن فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرو (مجھے تمہیں دیکھ کر اپنا چچا یاد آجاتا ہے)۔ وحشی بن حرب نے تو صرف نیزہ مارا تھا۔ یہاں حضرت ہندؓ کی طرف منسوب روایات مبالغہ آمیز یا غلط نہ ہوتیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس محبت اور شفقت سے ہرگز پیش نہ آتے ہند نے پوچھا یارسول اللہ! میرا خاوند ابوسفیان بخیل ہے کیا میں اس کے مال سے اپنی ضرورت کے مطابق بلا اجازت لے سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا اپنے اور بچوں کے لئے دستور کے مطابق لے سکتی ہو۔ حضرت ہندؓ کا اسلام بہت اچھا رہا۔ انہوں نے بھی بڑھاپے میں اپنے خاوند حضرت ابوسفیانؓ کے ہمراہ رومیوں کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا مثلاً وہ جنگ یرموک میں شریک تھیں رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

مکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پندرہ دن قیام فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ لوگوں کو ہدایت وتقویٰ کی تعلیم دیتے رہے۔ نیز اسلام کی دعوت اور بت شکنی کے لئے آپ ﷺ نے اردگرد کے علاقوں میں متعدد سرایا بھی روانہ فرمائے جس کے حالات آئندہ سطور میں موجود ہیں۔ انہی ایام میں حضرت ابوسعید خزاعیؓ نے آپ ﷺ کے حکم سے حدود حرم کی حد بندی کے لئے نئے سرے سے کھمبے نصب کیے۔

فتح مکہ کے روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے آپ کے نواسے حضرت علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی والدہ کا اسم گرامی حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسی لئے ان حضرت علیؓ کو علی زینبی کہا جاتا ہے تاکہ ان کی التباس حضرت علیؓ بن ابی

طالب سے نہ ہوا نہی علی زینبیؓ کو آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر موجود بعض بتوں کو گرانے کے لئے اپنے کندھے پر اٹھایا تھا سنن ابوداؤد میں ہے **فحمل علی بن ابی العاص علیٰ عاتقه** ۔بعض روایات کے مطابق مکے میں داخل ہوتے وقت آپ ﷺ نے اپنے ساتھ اسامہؓ بن زید کو بٹھا رکھا تھا ممکن ہے علی زینبیؓ اور اسامہؓ دونوں کو باری باری یہ سعادت حاصل ہوئی ہو۔

۵۔سریہ سعدؓ بن زید الاشھلی (مہم انہدام مُنات):

فتح مکہ کے بعد بلحاظ مکی رویئت ہلال ۲۴ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۴ صفر ۹ ہجری قمری بمطابق ۱۲ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز منگل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن زید الاشھلی رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ہمراہ مُنات بت کو منہدم کرنے کے لئے مشلّل روانہ فرمایا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان قُدید کے علاقے میں واقع پہاڑ تھا۔ مُنات قبائل اوس، خزرج اور غسّان وغیرہ کا بت تھا۔ حضرت سعدؓ بت کو ڈھانے کے لئے آگے بڑھے تو ایک سیاہ رنگ کی ننگ دھڑنگ عورت سامنے آئی جو اپنا سینہ پیٹتے ہوئے ہائے وائے کر رہی تھی لیکن حضرت سعدؓ نے تلوار کے ذریعے اس عورت کو قتل کر ڈالا اور پھر بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بت کے خزانے سے کچھ نہیں ملا۔

۶۔سریہ خالدؓ بن ولید (مہم انہدام عُزّیٰ):

۲۵ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی (بلحاظ مکی رویت ہلال) بمطابق ۲۵ صفر ۹ ہجری قمری بمطابق ۱۳ر جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز بدھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر امارت تیس سواروں کی معیت میں یہ سریہ عزیٰ بت کو ڈھانے کے لئے روانہ کیا گیا۔ یہ بت وادی نخلہ میں واقع تھا جو مکہ مکرمہ سے مشرقی جانب ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔قریش اور سارے بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ یہ ان کا سب سے بڑا بت تھا۔ابوسفیان نے اپنے زمانۂ کفر میں غزوہ احد کے موقع پر اسی بت کا نعرہ بلند کیا تھا **عُزیٰ لنا ولا عُزیٰ لکم** یعنی عزیٰ ہمارا ہے اور تمہارا کوئی عُزیٰ نہیں ہے۔مسلمانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جوابی نعرہ بلند کیا تھا **الله مولانا ولا مولیٰ لکم** ''اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں'' اس بت کے مجاور بنوشیبان تھے۔حضرت خالدؓ اس بت کو منہدم کرنے کے بعد واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے کچھ دیکھا بھی تھا؟ حضرت خالدؓ نے نفی میں جواب دیا تو آپ

ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ابھی بت کو ڈھایا ہی نہیں۔ اس پر حضرت خالدؓ بن ولید واپس پلٹے۔ بت کے قریب پہنچنے پر ایک ننگ دھڑنگ سیاہ رو و پراگندہ سر عورت نمودار ہوئی جسے مجاور چیخ چیخ کر پکارنے لگا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اس عورت کو تلوار سے قتل کر ڈالا۔ واپس آ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! وہی عزیٰ تھی۔ اب وہ مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے ملک میں کبھی اس کی پوجا کی جائے۔

۷۔ سریہ عمروؓ بن العاص (مہم انہدام سُواع):

فتح مکہ کے بعد اسی رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق صفر ۹ ہجری قمری بمطابق جون ۶۳۰ عیسوی جیولین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بنو ہذیل کے سُواع نامی بت کے انہدام کے لئے بھیجا جو مکہ سے کوئی تین میل کے فاصلے پر ساحل سمندر پر رہاط میں واقع تھا۔ مجاور نے حضرت عمروؓ بن العاص سے کہا تم اس بت کو منہدم کرنے پر اپنے آپ کو قادر نہیں پاؤ گے۔ حضرت عمروؓ نے مجاور کی حماقت پر اظہار افسوس کیا کہ تم ابھی تک باطل پر ہو؟ تم پر افسوس کیا یہ بت سنتا یا دیکھتا ہے؟ اس کے بعد آگے بڑھ کر آپ نے بت کو پاش پاش کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس بت کے خزانے والے مقام کو منہدم کر دیا جائے لیکن اس سے کچھ نہ ملا۔ آپ نے مجاور سے پوچھا ''اب بتاؤ کیسی رہی؟'' اس نے کہا کہ میں اللہ کے لئے اسلام لایا۔

۸۔ سریہ خالدؓ بن ولید (مہم یلملم):

اسے سریہ بنی جذیمہ بھی کہا جاتا ہے۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید عزّیٰ بت کو توڑ کر آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غزوہ حنین سے پہلے بنو جذیمہ کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمایا۔ بنو خذیمہ، کنانہ کی ایک شاخ تھی۔ یہ لوگ یلملم کی جانب مکہ سے ایک دن کی مسافت پر آباد تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید مہاجرین وانصار اور بنی سلیم کے ساڑھے تین سو افراد کے ساتھ روانہ ہوئے۔ بنو خزیمہ نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا لیکن انہوں نے اسلمنا (ہم مسلمان ہوئے) کی بجائے صبأنا، صبأنا (ہم نے اپنا دین چھوڑا) کہنا شروع کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے انہیں قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ ان قیدیوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ بنو سلیم کے لوگوں نے اپنے اپنے قیدیوں کو

مار ڈالا۔ مہاجرین وانصار نے قیدیوں کو قتل نہ کیا کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور انکے ساتھیوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کے اس ناروا حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ ﷺ کو سخت رنج ہوا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا **اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد** ''اے اللہ! جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اس سے تیری طرف بیزاری کا اظہار کرتا ہوں''۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیج کر مقتولین کی دیت ادا فرمائی اور ان کے نقصانات کی تلافی فرمائی۔ حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک بچے حتیٰ کہ کتوں تک کا خون بہا ادا کیا۔ بعد میں جو کچھ بچ رہا وہ بھی انہیں دے دیا۔ جب حضرت علیؓ اس کام سے فارغ ہو کر واپس آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس کام کو سراہا۔

یہ سریہ زمنی ترتیب کے لحاظ سے اوائل شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اوائل ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق جون ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۹۔ سریہ طفیلؓ بن عمرو الدوسی:

ذوالکفین لکڑی کا ایک بت تھا جس کی بنو دوس پوجا کرتے تھے۔ اسے منہدم کرنے کے لئے حضرت طفیلؓ بن عمرو الدوسی کو روانہ کیا گیا۔ یہ بھی شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق جون/ جولائی ۶۳۰ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے۔

۱۰۔ غزوہ حنین:

فتح مکہ کے بعد اکثر عرب قبائل اسلام اور مسلمانوں کی عسکری قوت اور سیاسی غلبے سے مرعوب ہو چکے تھے۔ قریش مکہ کے مغلوب ہونے کے بعد ان قبائل کا اسلام کی طرف جھکاؤ بڑھ گیا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے کچھ عرصہ پہلے ابرہہ حاکم یمن نے خانہ کعبہ کو بزعم خویش منہدم کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس کے لشکر میں ہاتھی بھی تھے اس لئے انہیں اصحاب الفیل کہا جاتا ہے۔ یہ اصحاب الفیل غیبی عذاب نازل ہونے سے تباہ و برباد ہو گئے۔ ابرہہ اور اس کے لشکر کی ہولناک تباہی نے عربوں میں یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ کسی جھوٹے شخص اور اس کے گروہ کا مکہ مکرمہ پر قبضہ نہیں ہو سکتا تاہم بعض جنگجو اور سرکش قبائل کا یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کا خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ پر یہ تسلط شاید عارضی مدت کے لئے ہو اور وہ اس قبضے کو زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکیں۔ ان قبائل میں ہوازن اور

ثقیف سرفہرست تھے۔ مکہ فتح ہونے پر لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتم الطلقاء (تم آزاد ہو) کہہ کر عام معافی عنایت فرمائی تھی اگر چہ اس موقع پر ان طُلقاء میں سے بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کرلیا لیکن انہیں مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا۔ بعض حالات اور واقعات سے اس امر کی بھی شہادت ملتی ہے کہ بعض لوگوں نے پہلے پہل اس موقع پر دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

یہ وہ حالات تھے جن میں عرب کے مشہور بہادر، مالدار اور جنگجو قبیلے ہوازن نے مسلمانوں کے خلاف اپنے سردار مالک بن عوف نصر کی زیر قیادت طاقت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ یہ مالک بن عوف غزوۂ طائف کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ اسلام کے بڑے علمبردار ثابت ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے پھر دمشق کے حاکم ہوئے۔ بنوہوازن کا بنوثقیف نے بھی ساتھ دیا۔ ان سب کو یقین تھا کہ فتح مکہ کے بعد مسلمان جلد ہی ان کا رخ کریں گے۔ انہوں نے مناسب سمجھا کہ پیش قدمی کرتے ہوئے مسلمانوں پر پہلے ہی حملہ کر دیا جائے نیز اہل طائف کو یہ لالچ بھی تھا کہ اگر انہیں مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو اہل مکہ کے بعض متمول لوگوں کی طائف میں موجود اراضی اور جاگیروں پر ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ قبائل ہوازن اور ثقیف کے ساتھ مُضر، جُشم اور بنوسعد بن بکر کے قبائل اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان سب قبائل کا تعلق قیس عیلان سے تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف اپنی جنگی قوت کو آزمائے بغیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنی عزتِ نفس کے خلاف سمجھتے تھے تاہم ہوازن کی دو چھوٹی شاخوں بنوکعب اور بنوکلاب نے اس سارے ہنگامے سے الگ رہ کر دانشمندی کا ثبوت دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مشرق و مغرب کے سارے لوگ بھی اکٹھے ہو جائیں تو بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مغلوب نہیں کر سکتے۔ مالک بن عوف کی زیر کمان یہ لوگ وادی اوطاس میں خیمہ زن ہوئے، یہ حنین کے قریب بنوہوازن کے علاقے میں حنین سے الگ ایک وادی ہے۔ حنین کی وادی ذوالمجاز کے بازار میں واقع ہے وہاں سے براستہ عرفات مکے کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے۔ مالک بن عوف کے حکم پر یہ لوگ اپنی عورتوں، بچوں، مال مویشی سب سامان کو ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ ہر شخص اپنے اہل و عیال اور مال و متاع کی حفاظت کے خیال سے میدان جنگ میں ڈٹا رہے اور دلیری و شجاعت کا بخوبی مظاہرہ کرے۔ اس لشکر میں بنوجشم کا تقریباً سو سال کی عمر کا دُرید بن صمّہ بھی تھا جو اپنے زمانے میں بڑا بہادر اور ماہر جنگجو رہ چکا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا اور اس کی بہادری اور شاعری کے قصے مشہور تھے۔ وہ اب اگر چہ محض ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا اور عملاً لڑنے کے قابل نہ رہا تھا لیکن اس کے جنگی تجربات اور اس کی

اصابت رائے کے احترام میں لوگ اسے اونٹ کے پالان میں بٹھا کر لے آئے تھے۔ اس نے لوگوں سے پوچھا تم کس وادی میں اترے ہو؟ اسے بتایا گیا کہ یہ اوطاس کی وادی ہے تو اس نے کہا کہ یہ جنگ کے لئے موزوں ترین مقام ہے اس کی زمین نہ پتھریلی اور سخت ہے اور نہ ہی نرم و بھربھری ہے کہ جس میں پاؤں دھنس جائیں۔ پھر اس نے کہا کیا بات ہے کہ میں یہاں اونٹوں کی بلبلاہٹ، گدھوں کی ہینگ، بچوں کا گریہ اور بکریوں کا ممیانا سن رہا ہوں۔ جب اسے بتایا گیا کہ فوج کا سردار مالک بن عوف فوج کے ہمراہ عورتوں، بچوں اور مال مویشی سب کو کھینچ لایا ہے تو اس نے مالک بن عوف کو بلا کر کہا کہ تم تو نرے بھیڑوں کے چرواہے ہو۔ شکست کھانے والے کو بھلا کوئی چیز شکست سے بچا سکتی ہے؟ تم اگر جنگ میں غالب رہے تو بھی تمہارے لئے نیزوں اور تلواروں سے مسلّح لوگ ہی مفید ہو سکتے ہیں اور شکست کی صورت میں تمہیں اپنے اہل وعیال اور مال ومنال کے بارے میں ذلیل وخوار ہونا پڑے گا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کعب اور کلاب بھی شریک ہیں یا نہیں؟ نفی میں جواب ملنے پر اس نے کہا کہ اگر آج عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب اور کلاب غیر حاضر نہ ہوتے۔ پھر اس نے مالک بن عوف کو مشورہ دیا کہ عورتوں اور بچوں کو واپس محفوظ مقامات پر پہنچایا جائے۔ اس کے بعد گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر بددینوں سے لڑو۔ اگر فتح حاصل ہوئی تو پیچھے والے تم سے آملیں گے۔ اگر شکست ہوئی تو تمہارے اہل وعیال اور مال مویشی تو محفوظ رہیں گے۔ تیس سالہ مالک بن عوف نے درید بن صمّہ کے مشورے کو یہ کہہ کر قبول نہ کیا کہ تم معمّر ہو چکے ہو اور تمہاری عقل بوڑھی ہو چکی ہے۔ مالک کو یہ پسند نہیں تھا کہ جنگ میں درید کا بھی کوئی مشورہ شامل ہو یا اس کا نام آئے۔ اس نے کہا بنو ہوازن یا تو میری اطاعت کریں یا میں اس تلوار پر ٹیک لگا دوں گا کہ یہ میری پیٹھ کے آر پار ہو جائے۔ بنو ہوازن نے اپنے سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف کی اطاعت کا وعدہ کیا۔ اس پر درید نے کہا یہ ایسی جنگ ہے جس میں میں نہ تو (صحیح معنوں میں) شریک ہوں اور نہ ہی (بالکل) الگ ہوں۔ دریں اثناء مالک کے وہ جاسوس آئے جو مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے ان جاسوسوں کی ظاہری حالت و ہیئت نہایت پراگندہ اور خستہ تھی، بدحالی ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ مالک کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم نے چتکبرے گھوڑوں پر سوار کچھ لوگوں کو دیکھا ہے اس کے بعد سے ہماری یہ حالت ہوگئی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دشمن کی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت ابوحدرد اسلمیؓ کو حالات کا پتا لگانے کے لئے بھیجا وہ دشمن کے علاقے میں گھس کر حالات معلوم کرتے رہے۔ واپسی پر آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے دشمن سے مقابلے کی تیاری شروع

فرما دی۔ جنگی مصارف کے لئے وسائل محدود اور سامان جنگ کی قلت تھی اس لئے آپ ﷺ نے بروایت مسند امام احمد بن حنبلؒ تیس ہزار اور بروایت بخاری دس ہزار درھم عبداللہ بن ربیعہ سے قرض لئے۔ صفوان بن امیہ مکہ کے عظیم رؤساء میں سے تھا اور ابھی تک مشرک تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے سامان جنگ مانگا تو اس نے کہا آپ یہ سامان مجھ سے ادھار لے رہے ہیں یا اسے غصب کرنا مقصود ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم یہ سامان ادھار لے رہے ہیں جسے بحفاظت واپس کیا جائے گا۔ اس نے کوئی سو زر ہیں اور ان کے لوازمات مہیا کئے۔ بعض روایات کے مطابق جنگ کے بعد جب یہ زر ہیں صفوان بن امیہ کو واپس کی جانی تھیں تو کچھ زر ہیں کم پڑ گئیں۔ لیکن صفوان نے یہ کہہ کر ان گمشدہ زرہوں کا معاوضہ لینے سے انکار کر دیا کہ یا رسول اللہ! آج میرے دل کی کیفیت پہلے سے بہت مختلف ہے، مجھے اب اسلام سے رغبت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں حضرت عتابؓ بن اسید کو عامل (گورنر) مقرر فرمایا۔ ان کی عمر اس وقت بیس سال تھی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مکہ کے نومسلموں کو اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لئے چھوڑا پھر آپ ﷺ ۶ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۶ ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق ۲۳ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز ہفتہ مکہ سے حنین کی جانب روانہ ہوئے اور فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہمارا قیام خیف بنی کنانہ کے اس مقام پر ہوگا جہاں (مکی دور میں) قریش مکہ نے اکٹھے ہو کر بنو ہاشم کے خلاف معاشی اور معاشرتی مقاطعے (بائیکاٹ) کے لئے عہد نامہ لکھا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ دس ہزار تو وہی تھے جو فتح مکہ میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اب ان میں دو ہزار طُلقاء بھی شامل تھے جن میں بہت سے نومسلم تھے اور کئی لوگوں نے تا حال اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اتنے بڑے لشکر کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں نے جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی شامل تھے یہ کہا کہ آج ہم ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے۔ راستے میں جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو ایک سوار نے آ کر بتایا کہ میں نے فلاں اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا ہے بنو ہوازن مع اپنے اہل وعیال، مال مویشی اونٹوں اور بکریوں کے جمع ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا انشاء اللہ یہ سب کل مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت ہوگا۔ رات کے وقت حضرت انسؓ بن ابی مرثد غنوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے بطور محافظ اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر سرانجام دیں۔

حنین جاتے ہوئے راستے میں لوگوں نے ایک بڑا سا سرسبز درخت دیکھا جسے ذاتِ انواط کہا جاتا تھا۔ مشرکین عرب اس درخت کا طواف کیا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار اس پر لٹکاتے تھے۔ وہاں میلہ

لگاتے اور جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ ہمارے لئے بھی کوئی ذات انواط مقرر فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ اکبر! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے تو ویسی ہی بات کہی جو موسیٰ سے ان کی قوم نے کہی تھی اجعل لنا الھاً کما لھم الھۃ ''ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جس طرح دوسرے لوگوں کے معبود ہیں'' تو موسیٰ نے فرمایا کہ تم تو نادان لوگ ہو۔ بے شک یہ ایسے طور طریقے ہیں کہ تم اپنے سے پہلے کے لوگوں کے ان طریقوں پر ضرور سوار ہو گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین میں ۹ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۹ ربیع الاول قمری بمطابق یکم جولائی ۶۳۰ عیسوی جیولین عصر کے وقت نزول فرمایا۔ مزید وضاحت توقیتی مباحث میں ہوگی۔ مالک بن عوف یہاں پہلے ہی پہنچ چکا تھا اور اس نے رات کی تاریکی میں اپنے لشکر کو وادی حنین کے راستوں، گھاٹیوں اور پوشیدہ درّوں میں چھپا دیا۔ یہ لوگ پوری طرح مسلّح تھے اور نہایت دلیر اور ماہر و تجربہ کار تیر انداز تھے۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ مسلمانوں پر زبردست تیر اندازی کرو اور پھر اکٹھے ہو کر ان پر یک دم ٹوٹ پڑو۔

ادھر علی الصبح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی ترتیب و تنظیم فرمائی۔ سواروں کے میمنہ پر حضرت خالدؓ بن ولید کو مقرر فرمایا اور فوجیوں میں پرچم تقسیم فرمائے۔ ابھی صبح کا اندھیرا ہی تھا کہ مسلمانوں نے وادی حنین میں پیشقدمی کی۔ انہیں دشمن کی وہاں پہلے سے موجودگی کا قطعاً علم نہ تھا اس لئے وہ اپنے خیال میں بے خوف و خطر آگے بڑھتے چلے گئے۔ دشمن کے چند لوگوں سے مقابلہ ہوا تو انہیں جلد ہی مغلوب کر کے مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے وادی حنین کی پوشیدہ جگہوں میں چھپے دشمن کا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کو یوں آگے بڑھنے کا موقع دے کر انہیں نرغے میں لے لیا جائے۔ انکی یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ مشرکین نے اچانک اس قدر منظم انداز میں تیر اندازی کی کہ اسلامی فوج میں سخت بھگدڑ مچ گئی۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ اس افراتفری کے عالم میں فوج کے بڑے حصے نے میدان سے پیچھے ہٹنے اور منہ پھیرنے میں ہی عافیت سمجھی۔ مسلمانوں کی اس عارضی پسپائی کا حقیقی سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنی عددی کثرت پر ناز تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی اصلاح اور تادیب مقصود تھی۔ اس پسپائی کا ایک ظاہری سبب تو مذکور ہو چکا کہ مسلمانوں کو دشمن کی خفیہ تیاری اور وادی حنین میں ان کے ماہر تیر اندازوں کی پوشیدہ جگہوں میں موجودگی کا علم ہی نہ تھا وہ بے خبری میں آگے بڑھتے ہوئے پوری طرح تیر اندازوں کی زد میں

آ گئے۔دوسرا سبب یہ تھا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ ایسے لوگ بھی شریک ہو گئے تھے جن کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کو عین وقت پر دھوکہ دیں۔مثلا شیبہ بن عثمان نے بعد میں مسلمان ہو کر اپنا واقعہ یوں بتایا کہ میں نے حنین میں شرکت اسلام کی خاطر نہیں کی تھی لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ بنو ہوازن قریش پر غالب آئیں۔بھگدڑ کے موقع پر مجھے اپنا باپ اور چچا یاد آئے۔غزوہ بدر میں میرا باپ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے اور میرا چچا حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا جس کا بدلہ لینے کی میری شدید خواہش تھی اور میں حنین کی جنگ میں اسی لئے شریک ہوا کہ موقع ملتے ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کروں گا۔جب حنین میں بھگدڑ مچی تو میں آپ کے قریب پہنچ گیا لیکن دائیں جانب حضرت عباسؓ اور بائیں جانب حضرت ابوسفیانؓ بن حارث آپ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔میں نے پیچھے سے آپ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ آپ کی نظر مجھ پر پڑی اور مجھے آواز دی کہ ادھر میرے پاس آؤ۔آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھتے ہوئے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس سے شیطان کو دور کردے۔اب تو میری حالت یہ ہوگئی کہ آپ ﷺ مجھے اپنے کان، آنکھ اور جان سے بھی زیادہ محبوب تھے۔آپ نے حکم دیا کہ جاؤ اور کفار کا مقابلہ کرو۔میں اب آپ پر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار تھا اس لئے میں نے نہایت بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ایک دوسری روایت کے مطابق شیبہ بن عثمان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تھا کہ میں نے چتکبرے گھوڑے دیکھے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا انہیں (ایسے موقع پر) صرف کفار ہی دیکھتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے میرے سینے پر تین دفعہ ہاتھ مارا اور ہر مرتبہ یہ دعا فرمائی ''اے اللہ! شیبہ کو ہدایت دے'' اس سے میرا یہ حال ہوا کہ مخلوقات میں آپ ﷺ سے زیادہ اور کوئی مجھے محبوب نہ تھا۔اسی طرح کا واقعہ نضر بن حارث کو بھی پیش آیا وہ بھی حنین میں نیک نیتی سے شامل نہیں ہوئے تھے وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال دی اور انہوں نے مرد مجاہد بن کر کفار کا مقابلہ کیا۔مکہ کے بے شمار لوگ مرد و زن محض تماشائی کے طور پر ساتھ ہو لئے تھے اکثر کے دلوں میں یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ہمیں بھی انتقام لینے کا موقع ہاتھ آئے گا۔اگر کامیابی ہوئی تو بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔حضرت ام سلیمؓ بھی اس جنگ میں شریک تھیں۔انہوں نے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان طلقاء کو قتل کردیجئے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی۔دوران جنگ حضرت ام سلیمؓ کے ہاتھ میں خنجر تھا۔حضرت ابوطلحہؓ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ میں نے یہ خنجر اس لئے ہاتھ میں لے رکھا ہے کہ جو مشرک بھی مجھے ملا اس کا پیٹ چاک

کردوں گی۔ مسلمانوں کی پسپائی کا تیسرا سبب یہ تھا کہ ان طلقاء میں سے جو نو مسلم تھے انہیں ابھی دین میں رسوخ حاصل نہیں ہوا تھا اور ان میں مہاجرین و انصار جیسا استقلال نہیں تھا۔ ان میں سے اکثر کے قبول اسلام کا سبب یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا تھا اور مشرکین مکہ کا یہ اعتقاد تھا کہ خانہ کعبہ پر صرف اہل حق ہی قبضہ کر سکتے ہیں۔ وہ حاکمِ یمن ابرہہ کے عبرتناک انجام سے بخوبی آگاہ تھے لیکن اب وادی حنین میں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ خانہ کعبہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کا قبضہ شاید عارضی ہو اور مستقل طور پر برقرار نہ رہ سکے۔ بقول ابن اسحٰق ابوسفیان بن حرب نے کہا کہ اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رکے گی اور صفوان بن امیہ کے اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی کلدہ بن حنبل نے چیخ کر کہا ''آج (مسلمانوں کا) جادو باطل ہو گیا''۔ صفوان بن امیہ اگرچہ تا حال مشرک تھا لیکن اپنے بھائی سے سخت ناراض ہوا اور کہا ''اللہ تیرا منہ توڑے واللہ! مجھے یہ بات پسند ہے کہ ہوازن کے کسی شخص کا غلام بننے کی بجائے کسی ایسے شخص کو اپنا مالک مان لوں جو قریش سے تعلق رکھتا ہو''۔

اسلامی لشکر میں جب بھگدڑ مچی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند مہاجرین و انصار اور اہل خاندان کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس وقت جو لوگ آپ ﷺ کے قریب رہے ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرؓ، حضرت علی حضرت عباس بن عبد المطلب اور ان کے دو صاحبزادے حضرت فضل و حضرت قثم، حضرت ابوسفیان بن حارث اور ان کے صاحبزادے حضرت جعفر، حضرت ربیعہ بن حارث، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہم اور دیگر کچھ حضرات شامل تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہنے والوں کی تعداد بمطابق روایات کتب حدیث و مغازی مختلف وقفوں اور مواقع پر چار، اسی، سو سے کم، سو کے قریب رہی جن میں تیس سے زائد کچھ مہاجرین۔ اور بقیہ انصار تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ بن حارث اور آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ اس بھگدڑ میں آخر تک آپ کے ساتھ رہے۔ اس انتشار، افراتفری اور بھگدڑ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفید خچر پر سوار تھے۔ یہ خچر آپ ﷺ کو فروہ بن نغاثہ الجذامی نے بطور ہدیہ دیا تھا۔ آپ نہایت دلیری و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کی جانب رخ کئے آگے بڑھ رہے تھے۔ خچر کی لگام حضرت ابوسفیانؓ بن حارث نے پکڑ رکھی تھی اور حضرت عباسؓ نے رکاب تھام رکھی تھی۔ دونوں کی کوشش یہ تھی کہ خچر تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے **انا النبی لا کذب ان ابن عبد المطلب** ''میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں''۔ اس کے بعد آپ ﷺ خچر سے نیچے اتر آئے

اورفرمارہے تھے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب. اللھم نزّل نصرک ''میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اے اللہ اپنی مدد نازل فرما''۔آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی آواز نہایت بلند تھی۔آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ صحابہ کرامؓ کو پکاریں انہوں نے بلند آواز سے پکارنا شروع کیا یا اصحاب الشجرہ (اے درخت والو!) اے بیعت رضوان والو! اے انصار کی جماعت! ادھر آؤ''۔اس آواز پر صحابہ کرامؓ یوں مڑے جیسے گائے اپنے بچوں پر مڑتی ہے اور جواب میں انہوں نے کہا ''ہاں ہاں، ہم آئے'' اگر کوئی آدمی اپنے اونٹ کو موڑ نہ پاتا تو اپنی زرہ اس کی گردن میں ڈال کر اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالتے ہوئے اونٹ سے کود جاتا اور اسے چھوڑ چھاڑ کر سیدھا آواز کی جانب لپکتا۔ جب سو کے قریب صحابہ کرامؓ جمع ہو گئے تو انہوں نے دشمن سے باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرما رکھا تھا کہ جو بھی مسلمان کسی کافر کو قتل کرے گا تو کافر سے حاصل ہونے والا مال اسی مسلمان کو ملے گا۔اتنے میں باقی فوج بھی یکدم پلٹ پڑی اور کفار سے ان کی گھمسان کی جنگ ہوئی۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا ''الآن حمی الوطیس'' یعنی تنور (میدان کارزار) اب گرم ہوا ہے۔آپ ﷺ نے زمین سے مٹھی بھر کنکریوں والی مٹی اٹھا کر مشرکین کی طرف پھینکی اور فرمایا شاھت الوجوہ (چہرے بگڑ گئے) آپ ﷺ کا یہ معجزہ تھا کہ دشمن کا کوئی سپاہی بھی ایسا نہ تھا کہ اس کی آنکھیں اس مٹی کے اثر سے بچ سکی ہوں۔اللہ تعالیٰ نے (ملائکہ کی) غیر مرئی فوجیں بھی مسلمانوں کی مدد کے لئے اتاریں۔تھوڑی ہی دیر میں جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مشرکین نے راہ فرار اختیار کی۔حالانکہ تھوڑی دیر پہلے یہ حال تھا کہ بروایت حضرت ابوقتادہ جب لوگ بھاگ نکلے تھے تو میں نے ایک کافر کو ایک مسلمان کے سینے پر سوار دیکھ کر اس کے کندھے پر زوردار تلوار ماری جو اس کی زرہ کو کاٹتی ہوئی اندر اتر گئی اس نے پلٹ کر مجھے یوں زور سے دبوچا کہ میری جان نکلنے کے قریب تھی اتنے میں وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔دریں اثناء میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا اور ان سے پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے تو انہوں نے کہا کہ تقدیر الٰہی میں یہی تھا۔بروایت حضرت انسؓ رسول اکرم تن تنہا تھے آپ ﷺ نے دائیں جانب متوجہ ہو کر پکارا ''اے انصار کی جماعت!'' انہوں نے عرض کیا ''لبیک (ہم حاضر ہیں) یارسول اللہ! آپ کو بشارت ہو ہم آپ کے ساتھ ہیں'' پھر آپ ﷺ نے بائیں جانب متوجہ ہو کر فرمایا ''اے انصار کی جماعت!'' انہوں نے حسب سابق جواب دیا۔حضرت انسؓ ہی کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے پہلے مہاجرین کو بھی آواز دی تھی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جس جگہ تھے وہاں کوئی اور آپ کے ساتھ کھڑا نہ تھا اس کا یہ

مطلب نہیں کہ سب لوگ میدان چھوڑ گئے تھے اور کوئی بھی آپؐ کے قرب و جوار میں موجود نہ رہا تھا۔ ورنہ حضرت عباسؓ کے پکارنے اور خود رسول اللہ ﷺ کے آواز دینے پر لوگ دوبارہ اکٹھے کیسے ہو سکتے تھے؟ الغرض جب صحابہ کرامؓ نے یکجا ہوکر دوبارہ حملہ کیا تو دشمن میدان چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ صرف بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ) نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن ان کے ستر آدمی مقتول ہوئے۔ اپنے علم بردار عثمان بن عبداللہ کے مارے جانے پر وہ بھی میدان چھوڑ گئے اور ان کے ہتھیار، مال مویشی، عورتیں اور بچے سب کے سب مسلمانوں کو مال غنیمت میں حاصل ہوئے۔ کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکین کے بچے زخمی ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمادیا۔

حنین میں مشرکین کی شکست خوردہ فوج کے ایک گروہ نے طائف کا رخ کیا۔ دوسرا گروہ نخلہ کی طرف جا نکلا اور تیسرے گروہ نے اوطاس میں پناہ لی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعریؓ کی زیر قیادت مسلمانوں کی ایک جماعت اوطاس میں پناہ لینے والے مشرکین کے تعاقب میں روانہ فرمائی۔ اس جنگ میں حضرت ابو عامر اشعریؓ شہید ہو گئے تو لشکر کی کمان ان کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے سنبھالی۔ تھوڑی سی جھڑپ کے بعد دشمن نے شکست کھائی اور میدان چھوڑ دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعریؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ دونوں کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ اس سے پہلے غزوہ حنین میں تین مسلمان شہید ہوئے تھے یوں غزوہ حنین کے شہدا کی تعداد چار ہے۔ مسلمانوں کی دوسری جماعت نے نخلہ کی طرف بھاگنے والوں کا پیچھا کیا۔ دُرید بن صمّہ ایک اونٹ پر کجاوے میں سوار تھا۔ حضرت ربیعہؓ بن رفیع نے اس پر تلوار سے وار کیا جو ناکام رہا۔ دُرید نے کہا کہ تیری ماں نے تجھے اچھے ہتھیار نہیں دئے میرے محمل میں جو تلوار ہے اس سے کام لو اور جب اپنی ماں کے پاس جاؤ تو اسے بتانا کہ میں نے درید کو قتل کر دیا ہے۔ ربیعہؓ نے جا کر اپنی ماں کو درید کے قتل کی خبر دی تو اس نے کہا ”واللہ! درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کرایا تھا“۔ مشرکین کے تیسرے گروہ نے مالک بن عوف کی سربراہی میں طائف میں پناہ لے رکھی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت جمع فرمانے کے بعد طائف کا رخ فرمایا۔ مال غنیمت میں چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ (تقریباً چھ سو کلوگرام) چاندی حاصل ہوئی۔ یہ سب مال غنیمت جعرّانہ کے مقام پر رکھا گیا اور اس پر مسعودؓ بن عمرو الغفاری کو نگران مقرر کیا گیا۔ مال غنیمت کی تقسیم غزوہ طائف سے فارغ ہونے کے بعد عمل میں آئی۔

قیدیوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیماء بنت حارث سعدیہ بھی

تھیں جب وہ گرفتار ہوئیں تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ انہیں آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اپنی پیٹھ اور بعض روایات کے مطابق اپنا باز و کھول کر دکھایا کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ ﷺ نے دانت سے کاٹا تھا یہ اسی کا نشان ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی رضاعی بہن کا نہایت احترام فرمایا اور بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھائی۔ ان سے شفقت آمیز لہجے میں گفتگو فرمائی۔ چند اونٹ اور بکریاں عنایت فرمائیں اور انہیں اختیار دیا کہ اگر میرے گھر میں چل کر رہنا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ انہوں نے اپنے خاندان کی محبت میں اپنی قوم میں واپس جانا چاہا تو انہیں نہایت عزت واحترام کے ساتھ وہاں پہنچا دیا گیا۔

۱۱۔ سریہ ابو عامر اشعریؓ:

جیسا کہ غزوہ حنین کے حالات میں مذکور ہو چکا ہے قبیلہ ہوازن کے جو لوگ اوطاس کی جانب بھاگے تھے۔ ان کے تعاقب میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے چچا حضرت ابو عامر اشعریؓ کی زیر قیادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو بھیجا۔ حضرت ابو عامر اشعریؓ مرتبۂ شھادت پر فائز ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ دشمن کو شکست دے کر کامیاب واپس ہوئے۔ یہ سریہ بھی شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق اواخر جون ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۱۲۔ غزوۂ طائف:

یہ غزوہ دراصل غزوہ حنین ہی کا اختتام ہے۔ حنین سے شکست خوردہ مشرکین کی ایک بڑی جماعت مالک بن عوف نصری کی زیر کمان طائف میں قلعہ بند ہوگئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لئے اسی مہینے یعنی شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الاول ۹ ہجری بمطابق اواخر جون ۶۳۰ عیسوی جیولین میں طائف کا رخ فرمایا۔ اس سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ایک ہزار آدمیوں پر مشتمل ہراول دستہ روانہ کیا جا چکا تھا۔ راستے میں نخلۂ یمانیہ پھر قرن منازل پھر لیہ سے گزر ہوا۔ لیہ میں مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا جسے آپ ﷺ نے منہدم کرا دیا اس کے بعد سفر جاری رکھا اور طائف پہنچ کر اہل طائف کے قلعے کا محاصرہ کر لیا جو کم وبیش بیس دن تک جاری رہا۔ یہاں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے پوری مہارت سے قلعہ شکن آلات یعنی رباب اور منجنیق استعمال کئے، گو منجنیق کا کچھ استعمال غزوہ خیبر میں بھی ہوا تھا۔ قلعے میں محصور لوگوں نے سال بھر کی رسد کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ یہ لوگ نہایت

ماہر تیرانداز تھے۔انہوں نے اس شدت سے تیر پھینکے کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے۔اس پر قلعے پر منجنیق سے گولہ باری کی گئی۔دشمن نے جواب میں مسلمانوں پر لوہے کے جلتے ٹکڑوں کی بارش کردی جس سے بعض مسلمان شہید ہو گئے۔

دشمن کی سرکوبی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اہل طائف کے انگوروں کے باغ کاٹ دئے جائیں یہ نقصان دیکھ کر بنوثقیف (اہل طائف) نے اللہ اور قرابت کے واسطے سے درخواست کی کہ درختوں کا کاٹنا بند کردیا جائے کہ اگر یہ درخت بنوثقیف کی قسمت میں نہ بھی ہوں تو بھی مسلمانوں کے کام تو آسکیں گے۔اس پر یہ کاروائی روک دی گئی۔

دوران محاصرہ آپ ﷺ نے منادی کے ذریعہ یہ اعلان کرایا کہ جو غلام قلعے سے اتر کر مسلمانوں کے پاس آجائے وہ آزاد ہے۔اس پر کوئی تیئس غلام قلعے سے اتر کر مسلمانوں کے ہاں چلے آئے۔ان میں حضرت ابوبکرہؓ بھی تھے وہ قلعے کی دیوار پر چڑھ کر رہٹ سے پانی کھینچنے والی ایک چرخی یا گراری کی مدد سے لٹک کر نیچے اتر آئے تھے۔عربی میں گراری کو ''بکرۃ'' کہتے ہیں اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی کنیت ابوبکرہ رکھ دی۔ یہ تمام غلام آزاد کردیئے گئے اور ان میں سے ہرایک کو ایک ایک مسلمان کے حوالے کردیا گیا تا کہ ان کی سہولت وضرورت کا خیال رکھا جاسکے۔محاصرے کے طول کھینچنے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ دیلی سے مشورہ طلب کیا۔انہوں نے کہا'' لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے اگر آپ ﷺ نے کوشش جاری رکھی تو یہ پکڑی جائے گی لیکن اگر اسے اسی حال میں چھوڑ دیا جائے تو یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔''اس پر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے زریعہ لوگوں میں اعلان کرادیا کہ ہم انشاءاللہ کل واپس ہوں گے۔ یہ اعلان بعض لوگوں پر گراں گزرا کہ دشمن کو مفتوح کئے بغیر ہم واپس کیوں جارہے ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے کل صبح لڑائی پر چلنا ہے۔اگلے دن لوگ لڑائی پر گئے لیکن دشمن کی طرف سے شدید مزاحمت ہوئی سوائے چوٹ کھانے اور نقصان اٹھانے کے کچھ حاصل نہ ہوسکا اس پر آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ہم انشااللہ کل صبح واپس ہوں گے۔لوگوں نے اب بلاچوں وچرا واپسی کے لئے سامان سفر باندھنا شروع کردیا۔آپ ﷺ ان کی حالت پر تبسم فرماتے رہے۔ جب لوگوں نے وہاں سے واپسی شروع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہو **آئبون تائبون لربنا حامدون** ''یعنی ہم واپس پلٹنے والے،توبہ کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں''۔صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے بنوثقیف پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو رحمۃ للعالمین صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھمّ اھد ثقیفاً و أتِ بھم ''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت نصیب فرما اور انہیں (میرے پاس) لے آ'' غزوہ طائف میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

طائف کا محاصرہ چھوڑ کر آپ واپس جعرانہ تشریف لائے جہاں پہلے سے جمع کردہ اموال غنیمت موجود تھے آپ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم میں کئی دن تک اس لئے تاخیر فرمائی کہ اگر بنو ہوازن تائب ہو کر آجائیں تو وہ اپنے اہل و عیال اور اموال واپس لے جائیں، بالآخر کئی دنوں کے انتظار کے بعد آپ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم شروع فرمادی کہ اتنے میں بنو ہوازن کا وفد تائب ہو کر آ گیا۔ لیکن اب مال غنیمت کی تقسیم روکی نہیں جاسکتی تھی۔ اموال غنیمت سے مؤلفۃ القلوب کو خوب خوب نوازا گیا۔ جو لوگ حال ہی میں مسلمان ہوئے ہوں اور ان کی دل جوئی کے لئے ان کی مالی مدد کی جائے تاکہ ان کے اسلام میں استحکام اور مضبوطی پیدا ہو، انہیں مؤلفۃ القلوب کہا جاتا ہے۔ ابوسفیانؓ بن حرب کو چالیس اوقیہ (تقریباً چھ کلوگرام) چاندی اور ایک سو اونٹ عطا کئے گئے انہوں نے اپنے بیٹوں یزیدؓ اور معاویہؓ کے لئے بھی مال کی درخواست کی تو دونوں بیٹوں میں سے ہر ایک کو بھی اتنا ہی مال دیا گیا۔ حکیمؓ بن حزام کو سو اونٹ اور ان کے دوبارہ مطالبے پر انہیں مزید سو اونٹ دیئے گئے۔ اسی طرح صفوان بن امیہ کو تین مرتبہ سو سو اونٹ یعنی تین سو اونٹ دیئے گئے۔ نضیر بن حارث بن کلدہ ثقفی، قیس بن عدی، سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ کو بھی سو سو اونٹ دیئے گئے۔ بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری نے شاید ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن انہیں بھی سو سو اونٹ دیئے گئے۔ یہاں نہایت دلچسپ امر یہ ہے کہ حنین و طائف کے معرکوں میں مشرکین نے مالک بن عوف نصری کی زیر قیادت مسلمانوں سے بھرپور جنگ کی تھی۔ غزوہ طائف کے بعد مالک بن عوف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ اگر تم میرے پاس چلے آؤ تو نہ صرف تمہارے اہل و عیال واپس کر دیئے جائیں گے بلکہ تمہاری مالی مدد بھی کی جائے گی۔ مالک بن عوف اپنی قوم کو چھوڑ کر آپ ﷺ سے آملے تو انہی اموال غنیمت سے انہیں بھی سو اونٹ دیئے گئے اور اسلام قبول کرنے پر انہیں اپنی قوم پر امیر مقرر کیا گیا۔ ان کے علاوہ بہت سے اور لوگوں کو بھی سو سو، پچاس پچاس اور چالیس چالیس اونٹ دیئے گئے، یہاں تک کہ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے دریغ عطایا دے رہے ہیں کہ انہیں فقر کا کوئی خوف ہی نہیں۔ چنانچہ مال حاصل کرنے کے لئے اعراب (بدّو) آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے جس سے آپ ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور ہو گئے اور آپ ﷺ کی چادر درخت کی شاخوں میں الجھ گئی۔ آپ نے فرمایا ''لوگو!

میری چادر دے دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد میں بھی جانور موجود ہوں تو میں یہ سب تم پر ہی تقسیم کروں گا پھر تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے، نہ بزدل اور نہ ہی جھوٹا'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اونٹ کے قریب کھڑے ہوکر اس کی کوہان سے کچھ بال لئے اور انہیں چٹکی میں رکھ کر بلند کرتے ہوئے فرمایا ''لوگو! اللہ کی قسم! میرے لئے تمہارے مال فے میں سے کچھ بھی نہیں حتیٰ کہ اتنے بال بھی نہیں صرف خُمس (پانچوں حصہ) ہے اور وہ بھی تم پر ہی لوٹا دیا جاتا ہے''۔ مؤلفۃ القلوب کو دینے کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذریعے بقیہ اموال غنیمت کا تخمینہ لگایا گیا تو عام تقسیم کے اعتبار سے فوج کے حصے میں جو اموال غنیمت آئے وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں تھیں چونکہ سواروں کو تین گنا حصہ ملتا تھا اس لئے ہر سوار کے حصے میں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں۔

انصار مدینہ کو مذکورہ اموال غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں دیا گیا حالانکہ مشکل کے وقت انہی کو پکارا گیا تھا اور وہی لبیک کہتے ہوئے فوراً مدد کو پہنچے تھے۔ انصار کے نوجوانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کسی نے یہ کہا ''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے جا ملے ہیں'' کسی نے یہ کہا کہ لڑنے مرنے کو تو ہم تھے اور اموال غنیمت دوسروں کو دیئے گئے، حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے سعد! اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے''؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی قوم (انصار) ہی کا ایک فرد ہوں''۔ اس پر آپ ﷺ نے انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں یہ حضرات جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے یہ یہ باتیں کہی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا ''ہمارے بڑوں نے ایسی باتیں نہیں کہی ہیں بلکہ نوخیز جوانوں نے اس طرح کی باہم گفتگو کی ہے'' آپ ﷺ نے اس موقع پر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''کیا یہ درست نہیں کہ میں تمہارے پاس اس حال میں آیا کہ تم گمراہ تھے تو اللہ نے (میرے ذریعے) تمہیں ہدایت نصیب فرمائی۔ تم محتاج تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دیا۔ تم باہم دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرما دی؟'' انصار نے جواب میں عرض کیا ''کیوں نہیں! اللہ اور اس کے رسول کا (ہم پر) بڑا فضل و کرم ہے'' آپ ﷺ نے پھر فرمایا ''اے انصار کے لوگو! تم مجھے (کھل کر) جواب کیوں نہیں دیتے؟'' انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! بھلا ہم آپ کو کیا جواب

دیں؟ اللہ اور اس کے رسول کا فضل و کرم ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''دیکھو! اللہ کی قسم! اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو۔ اور تم سچ ہی کہو گے اور تمہاری بات سچی ہی سمجھی جائے گی کہ آپ ﷺ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ آپ کو جھٹلایا گیا تھا، ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ کو وطن سے نکالا گیا تھا، ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ آپ محتاج تھے، ہم نے آپ کی غم خواری و دستگیری کی۔ اے انصار کی جماعت! تم اپنے دل میں اس دنیا کی عارضی دولت کی وجہ سے ناراض ہو گئے جس کے ذریعے میں نے لوگوں کی تالیفِ قلب کی تاکہ وہ (پکے) مسلمان ہو جائیں اور تمہیں تمہارے (پہلے ہی سے پختہ) اسلام کے حوالے کر دیا۔ اے انصار! کیا تم اس پر رضامند نہیں ہو کہ لوگ تو (اپنے گھروں میں اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لے کر اپنے گھروں میں واپس جاؤ۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا اگر تم ایک راستے پر چلو اور دوسرے سب لوگ دوسری راہ لیں تو میں انصار ہی کی راہ چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر اور ان کے بیٹوں پر اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما''۔ آپ ﷺ کے اس خطاب سے انصار اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ انہوں نے عرض کیا ''ہم اس پر خوش ہیں کہ ہمارے حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں''۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار صحابہ کرامؓ کی بار ہا مدح فرمائی ہے اور سورہ حشر میں انصار کی مدح سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حرص و طمع کی برائی سے کلیۃً پاک و صاف تھے۔ یہاں اول تو بزرگ انصار کو اموال غنیمت کی تقسیم کے متعلق کوئی شکایت ہی نہیں تھی، محض بعض نوجوان انصار کو اموال غنیمت کی اس طرح کی تقسیم پر ایسے ہی شدید تعجب اور رنج ہوا جیسے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں پر تعجب اور شکایت پیدا ہوئی تھی، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کامل یقین تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں جن سے ملاقات کا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دے رکھا تھا۔ نیز اموال غنیمت میں مجاہدین کا استحقاق حقیقی استحقاق ہے اور ایسے حق کی طلب یا خواہش پر اس حرص و طمع کا سرے سے اطلاق ہی نہیں ہوتا جو شرعاً مذموم ہے۔ ان نوجوان انصار کو یہ شبہہ بھی لاحق ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شاید قریش مکہ کی مزید دل جوئی کے لئے مدینہ منورہ واپس جانے کی بجائے کچھ مدت کے لئے مکہ ہی میں رہنا پسند فرمائیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ لوگوں کے حصے میں اونٹ اور بکریاں آئے ہیں اور ان کے حصے میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں تو ان کی

خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جو ان کی ایمانی پختگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شدید محبت پر ایک روشن دلیل ہے۔ البتہ جن لوگوں نے از راہ نفاق یا از راہ تمرّد (سرکشی و بغاوت) اعتراض کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز ان کی دل جوئی نہ فرمائی۔ چنانچہ مدینہ کا ایک شخص معتب بن قشیر منافق تھا اس نے کہا تھا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال تقسیم کر رہے ہیں (معاذ اللہ) اس میں اللہ کی رضا مقصود نہیں ہے۔ آپ ﷺ کو علم ہوا تو انتہائی رنج سے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف سے اس سے بھی زیادہ ایذاء پہنچائی گئی اور انہوں نے صبر سے کام لیا۔ ایک اور شخص ذوالخویصرہ تمیمی نے اموال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''یا رسول اللہ! انصاف سے کام لیجئے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا؟ بے شک تو خائب و خاسر ہوا اگر میں نے انصاف نہیں کیا تو پھر اور کون انصاف کرے گا؟ ''۔ حضرت عمرؓ بولے ''یا رسول اللہ! مجھے اجازت مرحمت فرمایئے میں اس کی گردن ماردوں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے چھوڑ دو بے شک اس کے ساتھی اس طرح کے ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں سے اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں سے کمتر خیال کرو گے۔ یہ لوگ قرآن تو (بہت) پڑھیں گے لیکن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا وہ اسلام سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے الیٰ آخر الحدیث''۔ بعد میں خوارج کا ظہور انہی سے ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے مؤلفۃ القلوب کو دیئے گئے اموال غنیمت ان کے لئے نہایت بابرکت ثابت ہوئے۔ ان کے دلوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں سے محبت پختہ ہوگئی۔ جو پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، ایمان اب ان کے دلوں میں راسخ ہوگیا۔ جنہوں نے از راہ نفاق بظاہر اسلام قبول کیا تھا ان کے دل نفاق سے پاک ہوگئے۔ جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا ان کے دلوں کی دنیا بھی بدل گئی اور وہ ایمان و ایقان کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔ اس کا ظاہری سبب یہ بھی ہوا کہ غزوہ حنین و طائف میں اسلام اور مسلمانوں کے غلبے اور بے شمار اموال غنیمت حاصل ہونے سے سب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے گھر خانہ کعبہ پر قبضہ عارضی نہیں بلکہ مستقل ہے جو مستقبل میں بھی برقرار رہے گا، یوں فتح مکہ سے پہلے سورہ ممتحنہ میں دی گئی یہ بشارت پوری ہوئی کہ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان (قریش مکہ) کے درمیان، جن سے تمہاری دشمنی ہے محبت پیدا فرمادے (یعنی قریش مکہ بالآخر اسلام قبول کرلیں گے) اور اللہ (دلوں کا

حال بدلنے پر) قادر ہے اور اللہ (قریش مکہ کے سابق سنگین جرائم کے سلسلے میں) نہایت بخشنے والا (اور) نہایت مہربان ہے (۶) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسلمانوں کو بار بار یہ حکم دیا ہے کہ کفار سے قلبی دوستی ہرگز نہ رکھو اگرچہ یہ کفار تمہارے ماں باپ اور قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے اسلام کے لئے جلد ہی یا کچھ دیر کے بعد مخلص نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان میں اور مہاجرین وانصار میں باہم محبت ڈال دینے کو اپنی طرف منسوب نہ فرماتا کہ یہ محبت اللہ تعالیٰ ان میں پیدا فرمائے گا جب کہ وہ خود مسلمانوں کو کفار سے محبت کرنے سے بار بار روکتا رہا ہو۔ انصار مدینہ کو غنیمت سے محروم رکھنے میں یہ حکمت بھی ظاہر ہوگئی کہ مؤلفۃ القلوب اگر خلوص نیت سے مسلمان ہونے والے نہ ہوتے اور کافر یا منافق ہی رہتے یا بعد میں مرتد ہونے والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے رسول ﷺ کو یہ اجازت نہ دیتا کہ وہ غنیمت کے بظاہر اصل مستحقین کو نظر انداز کر کے کفار ومنافقین کے گھر ان اموال غنیمت سے بھر دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ تاکیدی حکم دے رکھا تھا، ''اے نبی! کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کرا اور ان پر سختی کر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے'' (۷) چنانچہ مؤلفۃ القلوب کو دیے گئے اموال غنیمت کی برکت ہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد قریش مکہ میں سے کوئی ایک شخص بھی مرتد نہیں ہوا۔ غیر قریشی مؤلفۃ القلوب میں سے صرف ایک شخص عیینہ بن حصن خزاری فتنۂ ارتداد کا شکار ہوئے بھی تو بھی دوبارہ اسلام ہی کے دامن میں پناہ لی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے کہ اموال غنیمت کی تقسیم شروع ہونے کے بعد ہوازن کا وفد تائب ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس چودہ رکنی وفد کا سردار زہیر بن صرد تھا اور وفد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا، زہیر بن صرد نے کھڑے ہو کر تقریر کی کہ یا رسول اللہ! جو عورتیں قیدی بنائی گئی ہیں ان میں آپ کی (رضاعی) مائیں اور بہنیں ہیں ان میں آپ کی (رضاعی) پھوپھیاں اور خالائیں ہیں اور یہی قوم کے لئے رسوائی کا سبب بنتی ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر سلاطینِ عرب میں سے کسی نے ہمارے قبیلے میں دودھ پیا ہوتا تو ہم ان سے بہت سی توقعات اور امیدیں وابستہ کرتے اور آپ سے تو اور بھی توقعات ہیں''۔ ان لوگوں نے اس انداز سے اپنے قیدیوں اور اموال کی واپسی کی درخواست کی کہ دل پسیج جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے انتظار میں ہی غنیمت کی تقسیم مؤخر رکھی گئی تھی۔ میرے ساتھ جو لوگ ہیں تم انہیں دیکھ ہی رہے ہو۔ مجھے سچ بات زیادہ محبوب ہے لہذا تم بتاؤ کہ تمہیں اپنے اہل وعیال زیادہ عزیز ہیں یا مال مویشی؟ انہوں نے اہل وعیال کو یہ

کہتے ہوئے ترجیح دی کہ ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ اٹھ کر یوں کہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کی جانب اور مومنین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی واپس کر دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرا اور بنوعبدالمطلب کا حصہ ہے وہ تمہارے لئے ہے باقی لوگوں سے میں پوچھ لیتا ہوں۔اس پر مہاجرین وانصار نے فوراً کہا کہ جو کچھ ہمارا ہے وہ سب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔اس کے بعد اقرع بن حابس تمیمی نے کہا ''لیکن جو کچھ میرا اور میری قوم بنی تمیم کا ہے وہ آپ کے لئے نہیں''۔عیینہ بن حصن فزاری نے بھی کہا کہ جو کچھ میرا اور بنوفزارہ کا ہے وہ بھی آپ کے لئے نہیں ہے۔عباس بن مرداس نے کہا ''جو کچھ میرا اور بنوسلیم کا ہے وہ بھی آپ کے لئے نہیں ہے''۔بنوسلیم نے کہا ''نہیں! جو کچھ ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے''۔عباس بن مرداس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں نے میری توہین کر ڈالی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ترغیب دی کہ ان لوگوں کے قیدی بخوشی رہا کر دو تو بہت اچھی بات ہے ورنہ جو شخص اپنا حق روکنا ہی چاہتا ہو وہ قیدی تو واپس کر ہی دے ہم اسے اسکے بدلے آئندہ حاصل ہونے والے مال فے میں سے ایک کے بدلے چھ دیں گے۔لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بخوشی دینے کو تیار ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نہیں جان سکے کہ آپ میں سے کون اس کے لئے (واقعی) راضی ہے اور کون نہیں اس لئے تم سب واپس جاؤ (بعد میں) تمہارے سردار تمہارے معاملے کو ہمارے سامنے پیش کریں۔اس کے بعد سب لوگوں نے ان کے اہل وعیال واپس کر دئے۔صرف عیینہ بن حصن نے اپنے حصے کی ایک بڑھیا اس وقت تو واپس نہ کی لیکن بعد میں اس نے بھی واپس کر دی۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر عطا فرما کر واپس کر دیا۔

غزوہ طائف سے مراجعت ذی قعدہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الثانی ۹ ہجری قمری بمطابق اواخر جولائی ۶۳۰ عیسوی جیولین میں ہوئی۔

۱۳۔عمرۃ الجعرانہ:

غزوہ طائف کے بعد مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہونے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ ہی سے ذی قعدہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الثانی ۹ ہجری قمری بمطابق اواخر جولائی / اوائل

اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین میں عمرے کا احرام باندھا اور بروایت امام احمدؒ رات کے وقت مکہ میں پہنچ کر عمرہ پورا کر کے رات ہی کو واپس جعّرانہ روانہ ہوئے اور آپ ﷺ نے صبح جعرانہ ہی میں کی پھر زوال شمس کے بعد آپ ﷺ بطن سرف پہنچ گئے جہاں سے مدینہ منورہ کی جانب چل دئے۔ اس لئے بہت سے لوگوں مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کو آپ کے اس عمرے کا علم نہیں ہوسکا (۸)۔ مکہ میں آپ ﷺ نے حضرت عتّابؓ بن اسید کو والی مقرر فرمایا جب کہ حضرت معاذؓ بن جبل کو تعلیم کی غرض سے ان کے پاس چھوڑا۔ بقول ابن ہشام مدینے میں آپ ﷺ کی واپسی ۲۴ ذی قعدہ ۸ ہجری کو ہوئی تھی (۹) زمنی ترتیب کے اعتبار سے یہ مراجعت ۲۴ ذی قعدہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۴ ربیع الثانی ۹ ہجری قمری بمطابق ۹ اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز جمعرات ہوئی۔

۱۴۔ حج عتّابؓ بن اسید:

اس سال ذی الحجہ ۸ ہجری (قمریہ شمسی) میں حضرت عتاب بن اسید نے مسلمانوں کو حج اسی طرح کرایا جیسے عرب کا طریقہ تھا (۱۰) بالفاظ دیگر یہ حج قمریہ شمسی تقویم کے مطابق ہوا جس کے مطابق یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۹ جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری بمطابق ۲۴ اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز جمعۃ المبارک ہوا اور یوم النحر اگلے دن سنیچر کو ہوا۔

۱۵۔ ولادت حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری بمطابق اگست/ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی۔ آپ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں جنہیں مقوقس شاہ مصر نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ قابلہ (دایہ) کے فرائض حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے سرانجام دیئے۔ انہوں نے بچے کی پیدائش سے اپنے خاوند ابو رافعؓ کو باخبر کیا جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں ایک غلام عطا فرمایا۔ حضرت ابو رافعؓ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے اور ان کی بیوی حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود بچے

کا نام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر ''ابراہیم'' رکھا۔ پرورش کے لئے انہیں ام بردہؓ بنت منذر بن زید انصاری کے سپرد کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک قطعہ نخلستان عطا فرمایا تھا۔ ان کے خاوند براءؓ بن اوس انصاری تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ صاحبزادے بچپن میں ایام رضاعت ہی میں ۲۸ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار کوئی سترہ ماہ کی عمر میں انتقال فرما گئے مکمل وضاحت توقیتی مباحث میں پیش کی جائے گی۔

جس دن حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا اس دن اتفاقاً سورج گرہن ہوا۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ حضرت ابراہیمؓ کی رحلت سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت سے نہیں گہناتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم ان (سورج اور چاند) کا گرہن دیکھو تو نماز پڑھا کرو (۱۱)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آخری وقت میں اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کو دیکھا تو ان پر نزع کا عالم طاری تھا۔ آپ ﷺ نے اسی حالت میں بچے کو گود میں اٹھالیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے فرمایا اے ابراہیم! ہم تیرے کچھ بھی کام نہیں آسکتے (یعنی موت سے نہیں بچا سکتے) اے ابراہیم! (تیری جدائی سے) ہم مغموم ہیں آنکھ روتی ہے، دل غمگین ہے لیکن ہم (صبر سے کام لیں گے) کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جو ربّ کو ناپسند ہو''۔

۱۶۔ سریہ جریر بن عبداللہ البجلی (مہم انہدام ذوالخلصہ):

ذوالخلصہ مکہ اور یمن کے درمیان مکے سے سات رات کی مسافت پر تبالہ کے علاقے میں ایک بت خانہ تھا جس کے اندر نصب بت کی قبائل خثعم وبجیلہ پوجا کیا کرتے تھے۔ وہاں کے لوگ اس بت خانے کو ''کعبہ یمانیہ'' کہا کرتے تھے جسے مکہ مکرمہ میں موجود خانہ کعبہ کے بالمقابل سمجھا جاتا تھا۔ بقول بعض بت خانے کا نام خلصہ اور اس کے اندر نصب بت کا نام ذوالخلصہ تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی سے فرمایا ''کیا تو مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہیں دلادیتا؟'' انہوں نے عرض کیا ''کیوں نہیں!'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے احترام میں وہ اپنی قوم احمس کے ڈیڑھ سو گھوڑ سواروں کے ہمراہ ذوالخلصہ کے انہدام کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت جریرؓ بن عبداللہ گھوڑے پر

سوار ہونے کے ماہر نہ تھے۔انہوں نے اس امر کا تذکرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور دعا فرمائی ''اے اللہ! اسے ثابت قدم رکھ اور اسے ہادی اور مہدی (ہدایت یافتہ) بنا''۔حضرت جریرؓ کا قول ہے کہ اس کے بعد میں کبھی بھی گھوڑے سے نہیں گرا۔

یمن کے علاقے میں ایک شخص ذوالخلصہ کے بت خانے کے لئے فال کے تیر (ازلام) استعمال کیا کرتا تھا۔ جب حضرت جریر بن عبداللہ اس علاقے میں پہنچے تو اس شخص سے کہا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول (قاصد یعنی حضرت جریر بن عبداللہ) یہاں آپہنچا ہے۔اگر اس کا تجھ پر قابو چلا تو وہ تیری گردن ماردے گا۔ جب یہ شخص بت خانے میں فال کے تیر استعمال کررہا تھا تو حضرت جریرؓ بن عبد اللہ اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور اس سے کہا کہ ان تیروں کو توڑ پھوڑ دو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ورنہ تیری گردن اڑادوں گا۔اس نے حکم کی تعمیل کی۔حضرت جریرؓ نے اس بت خانے کو منہدم کر کے اسے آگ لگادی اور وہاں موجود بعض مشرکین کو مسلمانوں نے تہ تیغ کیا۔

حضرت جریرؓ بن عبداللہ نے اپنی قوم احمس کے ایک شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذوالخلصہ کی تباہی کی بشارت دے کر بھیجا۔اس شخص کا نام حسین اور کنیت ابوارطاۃ تھی۔اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں بشارت سنائی ''اے اللہ کے رسول! میں اس (ذوالخلصہ) کو اس حالت میں چھوڑ آیا ہوں کہ وہ (تباہ اور خستہ حال ہوکر) خارشی اونٹ کی طرح ہوگیا ہے'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ احمس کے گھوڑوں اور ان پر سوار ہونے والے مردوں کے لئے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی۔حضرت جریرؓ بن عبداللہ کے قبول اسلام کے سال میں اختلاف کی بنا پر اس سریے کو عموماً سال ۱۰ ہجری کا واقعہ خیال کیا جاتا ہے لیکن ہماری نظر میں یہ فتح مکہ کے بعد کا سریہ ہے۔اس سریے کے لئے روانگی اواخر ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی / اوائل محرم ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اواخر جمادی الاولیٰ اوائل جمادی الاخریٰ ۹ ہجری قمری بمطابق اگست/ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین میں ہوئی۔مکمل وضاحت انشاء اللہ توقیتی مباحث میں پیش کی جائے گی۔

۱۷۔ دیگر بعض واقعات:

اسی سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا ان کے شوہر حضرت ابوالعاصؓ بن الربیع تھے جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے

توقیتی مباحث سال ۸ ہجری قمریہ شمسی، ۸، ۹ ہجری قمری، ۶۲۹، ۶۳۰ عیسوی جیولین

تقابلی تقویمی جدول سال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۸ ـ ۹ ہجری قمری بمطابق ۶۲۹ ـ ۶۳۰ عیسوی جیولین بمطابق عبرانی سال ۴۳۹۰ خلیقہ (غیر مکبوس)، ۲۳۲ ویں ۱۹ سالہ عبرانی دور کا پہلا سال

یکم ستمبر ۶۲۹ عیسوی جیولین = (۲۴۳ تقسیم ۳۶۵ + ۶۲۹) تقسیم ۹۷۰۲۰۴ء = ۰۰۳۴۵ء ۶۴۹، (۶۴۹ء۰۰۳۴۵ - ۶۴۰ء۶۵۲۶) = ۸ء۳۵۰۸۵، (۳۵۰۸۵ء × ۱۲) = ۴ء۲۱۰۲ (۲۱۰۲ء × ۲۹ء۵) = ۲ء۶ = ۶ جمادی الاولیٰ ۸ ہجری قمری، پس یکم جمادی الاخریٰ ۸ ہجری قمری = یکم محرم ۸ ہجری قمریہ شمسی = ۳۲ - ۶ = ۲۶ ستمبر ۶۲۹ عیسوی جیولین، برائے پڑتال یکم جمادی الاخریٰ ۸ ہجری قمری = (۲۹ء۵ × ۵ تقسیم ۳۵۴) + ۸ = ۸ء۴۱۶۶۶۶۶، (۸ء۴۱۶۶۶۶۶ × ۹۷۰۲۰۴ء) + ۶۲۱ء۵۶۹۲ = ۷۳۵۰۸ء ۶۲۹، (۷۳۵۰۸ء × ۳۶۵) = ۲۶۸۰۳ = ۲۶۸ = ۲۵ ستمبر ۶۲۹ عیسوی جیولین، تاریخ اور وقت قران ۲۲ ستمبر ۶۲۹ عیسوی جیولین بوقت ۱۹:۰۳، پس صحیح تاریخ ۲۴ ستمبر ۶۲۹ عیسوی جیولین، مذکورہ تاریخ کا دن = (۶۲۸ × ۱ء۲۵) + ۲۵۷ = ۱۰۵۲، (۱۰۵۲ تقسیم ۷ کا باقی ماندہ) = ۲ = اتوار

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۴ ستمبر ۶۲۰ء	اتوار	یکم محرم ۸ ہجری	یکم جمادی الاخریٰ ۸ ہجری	۲۲ ستمبر	۱۹:۰۳
۲۴ اکتوبر	منگل	یکم صفر	یکم رجب	۲۲/اکتوبر	۰۷:۰۸
۲۳ نومبر	جمعرات	یکم ربیع الاول	یکم شعبان	۲۰/نومبر	۲۱:۴۲
۲۲ دسمبر	جمعہ	یکم ربیع الثانی	یکم رمضان	۲۰/دسمبر	۱۴:۳۹
۲۱ جنوری ۶۳۰ء	اتوار	یکم جمادی الاولیٰ	یکم شوال	۱۹/جنوری	۰۹:۱۶
۲۰ فروری	منگل	یکم جمادی الاخریٰ	یکم ذی قعدہ	۱۸ فروری	۰۴:۱۰
۲۲ مارچ	جمعرات	یکم رجب	یکم ذی الحجہ	۱۹/مارچ	۲۱:۳۵
۲۰ اپریل	جمعہ	یکم شعبان	یکم محرم ۹ ہجری	۱۸/اپریل	۱۲:۱۸

۲۰مئی	اتوار	یکم رمضان	یکم صفر	۱۸؍مئی	۰۰:۰۷
۱۸جون	سوموار	یکم شوال	یکم ربیع الاول	۱۶؍جون	۰۹:۴۲
۱۷جولائی	منگل	یکم ذی قعدہ	یکم ربیع الثانی	۱۵؍جولائی	۱۸:۰۲
۱۶اگست	جمعرات	یکم ذی الحجہ	یکم جمادی الاولیٰ	۱۴؍اگست	۰۲:۰۶

ا۔سریہ ذات السلاسل:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۰فروری ۶۳۰ء	منگل	یکم جمادی الاخریٰ ۸ہجری	یکم ذی قعدہ ۸ہجری	۱۸فروری	۰۴:۱۰

یہ سریہ جمادی الاخریٰ ۸ ہجری کا ہے (۱۲)۔ واقدی نے اس سریہ کے امیر حضرت عمرؓو بن العاص کے متعلق لکھا ہے، **احتلم فی لیلۃ باردۃ کاشدّ مایکون من البرد** (۱۳)۔ ''حضرت عمرؓو بن العاص کو ایک سرد رات میں احتلام ہوگیا۔ یہ رات اس قدر سرد تھی جتنی زیادہ سے زیادہ سردی ہوسکتی ہے''۔ بروایت ابوداؤد حضرت عمرؓو بن العاص کا بیان ہے کہ ذات السلاسل کی لڑائی میں مجھے ایک سرد رات میں احتلام ہوگیا مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر میں نے (اتنی سردی میں) غسل کیا تو مرجاؤں گا میں نے تیمّم کر کے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھادی، انہوں نے (بعد میں) اس امر کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ اے عمرو! تو نے اپنے ساتھیوں کو حالت جنابت میں (بطور امام) نماز پڑھادی؟ میں نے آپ سے اپنی مجبوری بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ **و لا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما** ''اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر رحم فرمانے والا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا'' (۱۴) اسی طرح کی اور روایات بھی موجود ہیں۔ ان سے صاف پتا چلتا ہے کہ سریہ ہذا کا جمادی الاخریٰ قمریہ شمسی تقویم کا ہے۔

قمریہ شمسی تقویم میں جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کے مہینے ہمیشہ موسم سرما میں آیا کرتے تھے جیسا کہ جمادی کے مادہ ''جمد'' سے بھی واضح ہورہا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عربوں کی قمریہ شمسی

تقویم میں سال کا آغاز موسم خزاں سے ہوا کرتا تھا۔ ستمبر سے شمار کرنے پر پانچوں اور چھٹا مہینہ جنوری اور فروری کا بنتا ہے۔ سال ۸ ہجری کا خالص قمری تقویم کا جمادی الاخریٰ ستمبر/ اکتوبر ۶۲۹ عیسوی جیولین میں آیا تھا یہ شدید سردی کے مہینے نہیں ہیں۔ سریہ مؤتہ کا جمادی الاولی ۸ ہجری خالص قمری تقویم کا ہے جس کے بالمقابل قمریہ شمسی مہینہ ذی الحجہ ۷ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اگست/ستمبر ۶۲۹ عیسوی جیولین ہے۔ سیرت نگاروں نے دو تقویمی التباس کی بناء پر یہ سمجھ لیا کہ سریہ موتہ کے بعد سریہ ذات السلاسل اگلے ہی مہینے پیش آیا تھا حالانکہ دونوں میں تقریباً چھ ماہ کا فرق ہے۔ اگر سریہ ذات السلاسل کے جمادی الاخریٰ کو خالص قمری تقویم کا شمار کیا جائے تو تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہوگا،

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۴ ستمبر ۶۲۹ء	اتوار	یکم محرم ۸ ہجری	یکم جمادی الاخریٰ ۸ ہجری	۲۲ ستمبر	19:03

مذکورہ جدول سے واضح ہے کہ جمادی الاخریٰ ۸ ہجری قمری کے بالمقابل عیسوی مہینے ستمبر اور اکتوبر کے ہیں ان میں شدید سردی نہیں ہوا کرتی۔ پس سریہ ذات السلاسل جمادی الاخریٰ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ذی قعدہ ۸ ہجری قمری بمطابق فروری/ مارچ ۶۳۰ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے۔

۲۔ سریہ ابوقتادہؓ انصاری (مہم خضرہ):

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۰ اپریل ۶۳۰ء	جمعہ	یکم شعبان ۸ ہجری	یکم محرم ۹ ہجری	۱۸ اپریل	12:18

ابن سعد اور واقدی نے اس سریے کا مہینہ شعبان ۸ ہجری لکھا ہے (۱۵)۔ زمنی ترتیب کے لحاظ سے یہ توقیت یقیناً قمریہ شمسی تقویم کی ہے پس یہ سریہ شعبان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق محرم ۹ ہجری قمری بمطابق اپریل/مئی ۶۳۰ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے۔

۳۔ سریہ ابوقتادہ انصاریؓ مہم بطن اضم):

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۰ مئی	اتوار	یکم رمضان ۸ ہجری	یکم صفر ۹ ہجری	۱۸ مئی	۰۰:۰۷

یہ سریہ اوائل رمضان ۸ ہجری میں بھیجا گیا تھا (۱۶)۔ زمنی ترتیب کے اعتبار سے یہ قمریہ شمسی توقیت ہے پس یہ سریہ اوائل رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اوائل صفر ۹ ہجری قمری بمطابق اواخر مئی ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۴۔ غزوہ فتح مکہ:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ وہی ہے جو اوپر سریہ ابوقتادہ (مہم بطن اضم) میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اس غزوے کے لئے مدینے سے روانگی بقول ابن سعد اور واقدی ۱۰/ رمضان ۹ ہجری بروز بدھ ہوئی تھی (۱۷) اور فتح مکہ کی تاریخ ۲۰ رمضان ۸ ہجری بروز جمعہ کی بیان کی گئی ہے (۱۸) اگر پہلی تاریخ کو اتوار ہو تو ۲۰ تاریخ کو ٹھیک جمعہ کا دن ہوگا لیکن دس تاریخ کو بدھ نہیں بلکہ منگل ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ میں چاند ایک دن کے بعد نظر آیا تھا۔ فتح مکہ کا یہ رمضان قمریہ شمسی ہے۔ دلائل درج ذیل ہیں:

الف۔ اگر فتح مکہ کے رمضان کو خالص قمری تقویم کا قرار دیا جائے تو تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہوگا:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۲ دسمبر	جمعہ	یکم ربیع الثانی ۸ ہجری	یکم رمضان ۸ ہجری	۲۰ دسمبر	۱۴:۳۹

مذکورہ جدول سے واضح ہے کہ یکم رمضان ۸ ہجری قمری کو جمعہ کا دن تھا، پس ۱۰ رمضان اور ۲۰ رمضان کو بالترتیب اتوار اور بدھ کا دن برآمد ہوگا حالانکہ اہل سیر و مغازی نے ۱۰ رمضان اور ۲۰ رمضان ۸ ہجری کا دن بالترتیب بدھ اور جمعہ لکھا ہے۔ قمری تواریخ میں بعض اوقات ایک دن کا فرق ہو سکتا ہے اس سے زیادہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا پس فتح مکہ کا رمضان ۸ ہجری، قمریہ شمسی تقویم کا ہے۔ قمری تقویم کا نہیں۔

(ب) واقدی نے فتح مکہ کے سفر کے احوال میں لکھا ہے رأى رسول الله صلى الله عليه

وسلم بالعرج یصبُّ الماء علیٰ رأسه و وجهه من العطش (۱۹) (راوی نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج پر دیکھا کہ آپ اپنے سر اور چہرے پر پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی ڈال رہے تھے (کیونکہ آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھیوں نے روزہ رکھا ہوا تھا)''۔مزید لکھا ہے لـمّا کان بالکدید بین الظهر و العصر اخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم اناء من ماء فی یده حتیٰ رأه المسلمون ثم افطر تلک الساعة (۲۰) ''جب آپ ﷺ ظہر اور عصر کے درمیان کدید کے مقام پر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں ایک برتن لیا جس میں پانی تھا یہاں تک کہ مسلمانوں نے آپ ﷺ کو (اس حالت میں) دیکھا پھر آپ نے اسی وقت روزہ افطار کرلیا (تاکہ مسلمان بھی آپ کی پیروی میں روزہ افطار کرلیں)''۔اگر رمضان ۸ ہجری کو خالص قمری تقویم کا لیا جائے تو اس کے بالمقابل عیسوی جیولین تواریخ ۲۲ دسمبر ۶۲۹ عیسوی جیولین سے ۲۰ جنوری ۶۳۰ عیسوی جیولین کی بنتی ہیں یہ تو سخت سردی کے ایام ہیں، ان میں اتنی گرمی نہیں ہوتی کہ شدید پیاس لگے جس سے چہرے اور سر پر پانی ڈالنا پڑے اور بعد میں روزہ توڑنا پڑے۔البتہ یکم رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی کے بالمقابل عیسوی تاریخ ۲۰ مئی ۶۳۰ عیسوی ہے۔ہم تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ قارئین کی سہولت کے لئے دوبارہ پیش کئے دیتے ہیں:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۰ مئی	اتوار	یکم رمضان ۸ ہجری	یکم صفر ۹ ہجری	۱۸ مئی	۰۷:۰۰

مذکورہ جدول سے واضح ہے کہ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی شدید موسم گرما میں تھا۔ بلکہ قمریہ شمسی تقویم کا رمضان تو ہمیشہ موسم گرما میں ہی آیا کرتا تھا جیسا کہ رمضان کے مادہ ''رمض'' سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔اس سے یہ بھی روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی تقویم کی ہمیشہ کے لئے منسوخی سے پہلے مدنی دور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب روزے قمریہ شمسی رمضان میں رکھا کرتے تھے۔جس طرح بیت المقدس کی طرف منہ کر کے کوئی ڈیڑھ سال تک نماز پڑھنے سے نماز کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بعینہ اسی طرح خالص قمری رمضان کی بجائے قمریہ شمسی رمضان میں روزے رکھنے سے روزے کے اجر میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سالہ قمری دور میں خالص قمری تقویم کا رمضان ایک سال کے لئے بہار کے آغاز اور دیگر سالوں میں موسم سرما کے بالمقابل رہا۔اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب خالص قمری رمضان

میں روزے رکھتے تو غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ آپ ﷺ نے اور صحابہ کرامؓ نے تو روزے سردیوں میں رکھے جب کہ بعد کے لوگوں کو سخت گرمی میں بھی روزے رکھنے پڑے۔ قمریہ شمسی تقویم کی منسوخی میں تاخیر کی غالباً ایک حکمت یہ بھی تھی کہ مذکورہ بالا اعتراض وارد نہ ہو۔ دیگر متعلقہ امور انشاء اللہ العزیز مکی دور کے توقیتی مباحث میں مناسب مقام پر پیش کئے جائیں گے۔ غزوہ فتح مکہ کی توقیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عربوں کی جو قمریہ شمسی تقویم دور جاہلیت سے چلی آرہی تھی اس میں سال کا آغاز موسم بہار کی بجائے خزاں سے ہوا کرتا تھا ورنہ اگر اس کا آغاز موسم بہار کے مہینوں مارچ/اپریل سے کیا جائے تو رمضان کا مہینہ نومبر/دسمبر میں آئے گا یہ سردی کے مہینے ہیں گرمی کے نہیں جب کہ غزوہ فتح مکہ کا رمضان غزوہ بدر کے رمضان کی طرح سخت گرمی میں واقع ہوا تھا۔

(ج) غزوہ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا جس کی تاریخ اہل سیر نے ۶ شوال ۸ ہجری بروز ہفتہ بیان کی ہے (۲۱) ابن سعد نے بروایت عبدالرحمٰن الفہری لکھا ہے کہ اس غزوے کے لئے روانگی کا دن شدید گرم تھا فسرنا فی یوم قائظ شدید الحرّ فنزلنا تحت ظلال الشجر (۲۲) ''ہم (غزوہ حنین کے لئے) نہایت سخت گرم دن میں روانہ ہوئے تو ہم درختوں کے سایوں کے نیچے اترے''۔ اس سے بھی ثابت ہورہا ہے کہ غزوہ فتح مکہ اور غزوہ حنین موسم گرما کے غزوات ہیں۔ غزوہ حنین کے متعلق تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۸ جون ۶۳۰ء	سوموار	یکم شوال ۸ ہجری	یکم ربیع الاول ۹ ہجری	۱۶ جون	۰۹:۴۲

مذکورہ جدول سے معلوم ہورہا ہے کہ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی موسم گرما کے مہینوں جون، جولائی ۶۳۰ عیسوی جیولین کے بالمقابل ہے۔ نیز ۶ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی کو ٹھیک ہفتہ کا دن ہی برآمد ہوتا ہے کہ یکم شوال کو سوموار تھا۔ اس کے برعکس شوال ۸ ہجری کو خالص قمری تقویم کا لیا جائے تو موسم سرما کا بنتا ہے، تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۱ جنوری ۶۳۰ء	اتوار	یکم جمادی الاولیٰ ۸ ہجری	یکم شوال ۸ ہجری	۱۹ جنوری	۰۹:۱۶

مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوگیا کہ غزوہ حنین کا شوال ۸ ہجری، قمری تقویم کا نہیں بلکہ قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ ہے بس زمنی ترتیب کے اعتبار سے فتح مکہ کا رمضان ۸ ہجری بھی قمریہ شمسی تقویم کا ہے۔ یوں غزوہ فتح مکہ کے لئے روانگی بمطابق مدنی رویت ہلال ۱۰ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۱۰ صفر ۹ ہجری قمری بمطابق ۳۰ مئی ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز بدھ ہوئی اور فتح مکہ کی تاریخ بمطابق مکی رویت ہلال ۲۰ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۰ صفر ۸ ہجری قمری بروز جمعۃ المبارک ہے۔ مدنی رؤیت کے اعتبار سے یہ تاریخ ۱۹ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی تھی۔

۵۔ سریہ سعد بن زید الاشہلی (مہم انہدام مُنات):

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ وہی ہے جو غزوہ فتح مکہ کا ہے۔ ابن سعد نے اس سریئے کی تاریخ ۲۴ رمضان ۸ ہجری بیان کی ہے (۲۳) زمنی ترتیب کے اعتبار سے یہ قمریہ شمسی توقیت ہے، پس اس سریے کی تاریخ بلحاظ مکی رؤیت ہلال ۲۴ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۴ صفر ۹ ہجری قمری بمطابق ۱۲ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز منگل ہے۔

۶۔ سریہ خالدؓ بن ولید (مہم انہدام عُزّیٰ):

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ حسب سابق ہے۔ ابن سعد نے اس سریے کی تاریخ ۲۵ رمضان ۸ ہجری بیان کی ہے (۲۴) پس بلحاظ مکی رویت ہلال یہ سریہ ۲۵ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۵ صفر ۹ ہجری قمری بمطابق ۱۳ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز بدھ کا ہے۔

۷۔ سریہ عمروؓ بن العاص (مہم انہدام سُواع):

یہ سریہ بھی رمضان ۸ ہجری کا ہے (۲۵) پس بلحاظ زمنی ترتیب یہ سریہ بھی رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق صفر ۹ ہجری قمری بمطابق جون ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔ تقابلی تقویمی جدول کا حصہ حسب سابق ہے۔

۸۔ سریہ خالد بن ولید (سریہ بنی جذیمہ)

۹۔ سریہ طفیلؓ بن عمرو الدوسی (مہم انہدام ذوالکفین)

مذکورہ بالا دونوں سرایا کا مہینہ ابن سعد نے شوال ۸ ہجری لکھا ہے (۲۶)۔ زمنی ترتیب کے مطابق یہ توقیت قمریہ شمسی تقویم میں ہے۔ تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۸ جون	سوموار	یکم شوال ۸ ہجری	یکم ربیع الاول ۹ ہجری	۱۶ جون	۰۹:۴۲

پس یہ دونوں سرایا شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق جون ۶۳۰ عیسوی جیولین کے ہیں۔

۱۰۔ غزوۂ حنین:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ وہی ہے جو اوپر کے دونوں سرایا کا ہے۔ ابن سعد اور واقدی نے اس غزوے کے لئے روانگی کی تاریخ ۶ شوال ۸ ہجری بروز ہفتہ کی بیان کی ہے (۲۷) متعلقہ جدول سے واضح ہے کہ یکم شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی کو سوموار تھا لہذا ۶ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی کو ٹھیک ہفتہ کا دن ہی برآمد ہوتا ہے۔ حنین میں پہنچنے کی تاریخ ۱۰ شوال ۸ ہجری شب منگل بیان کی گئی ہے (۲۸/۱) لیکن اگر یکم شوال کو سوموار ہو تو ۱۰ شوال کو منگل کا نہیں بلکہ بدھ کا دن بنتا ہے۔ واقدی نے حنین میں پہنچنے کا وقت مساء لیلۃ الثلثاء بیان کیا ہے منگل کی رات ۹ شوال قمریہ شمسی کو بنتی ہے، لہذا ۱۰ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی کو صحیح دن بدھ برآمد ہوتا ہے۔ غزوہ فتح کی توقیتی بحث میں یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ غزوہ فتح مکہ اور غزوہ حنین دونوں کی توقیت اہل سیر و مغازی نے قمریہ شمسی تقویم میں کی ہے، جس سے ان غزوات سے پہلے اور بعد کے واقعات وحوادث کا بھی بلحاظ زمنی ترتیب قمریہ شمسی تقویم کے مطابق ہونا ثابت ہوتا ہے، پس غزوہ ہذا کے لئے مکہ مکرمہ سے روانگی ۶ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۶ ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق ۲۳ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز ہفتہ ہوئی۔ اور وادی حنین میں ورود کی تاریخ ۱۰ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۱۰ ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق ۲۸ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز بدھ ہے۔

۱۱۔ سریہ ابو عامر اشعریؓ:

یہ سریہ غزوہ حنین کے بعد شوال ۸ ہجری میں ہی ہوا (۲/۲۸) لہذا زمنی ترتیب کے اعتبار سے یہ سریہ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق اواخر جون ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ حسب سابق ہے۔

۱۲۔غزوۂ طائف:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۸ جون	سوموار	یکم شوال ۸ ہجری	یکم ربیع الاول ۹ ہجری	۱۶ جون	۰۹:۴۲
۱۷ جولائی	منگل	یکم ذی قعدہ	یکم ربیع الثانی	۱۵ جولائی	۱۸:۰۲

طائف کا محاصرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۸ ہجری میں کیا اور ذی قعدہ ۸ ہجری میں یہ محاصرہ چھوڑ دیا (۳/۲۸) زمنی ترتیب کے لحاظ سے یہ توقیت قمریہ شمسی تقویم میں ہے۔ پس غزوہ طائف کے لئے روانگی شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق اواخر جون، اوائل جولائی ۶۳۰ عیسوی جیولین میں ہوئی اور وہاں سے مراجعت ذی قعدہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الثانی ۹ ہجری قمری بمطابق جولائی ۶۳۰ عیسوی جیولین میں ہوئی۔

۱۳۔عمرۃ الجعّرانہ:

غزوہ طائف سے مراجعت اور بمقام جعّرانہ اموال غنیمت کی تقسیم کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ ہی سے عمرے کا احرام باندھا۔ عمرے سے فراغت کے بعد آپ ﷺ مدینہ کے لئے عازم سفر ہوئے اور بقول ابن ہشام ۲۴ ذی قعدہ ۸ ہجری کو مدینہ پہنچ گئے (۲۹) زمنی ترتیب کے لحاظ سے یہ ذی قعدہ قمریہ شمسی تقویم کا ہی ہے۔ تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ وہی ہے جو اوپر طائف کا محاصرہ چھوڑنے کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے۔ لہذا عمرۃ الجعّرانہ سے فراغت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں مراجعت ۲۴ ذی القعدہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۴ ربیع الثانی ۹ ہجری قمری

بمطابق ۱۹ اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز جمعرات ہوئی۔

۱۴۔ حج عتّاب بن اسید:

اس سال حج پرانے طریقے کے مطابق قمریہ شمسی تقویم میں ہوا، جیسا کہ زمنی ترتیب سے بھی واضح ہو رہا ہے۔ تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۶ اگست	جمعرات	یکم ذی الحجہ ۸ ہجری	یکم جمادی الاولیٰ ۹ ہجری	۱۴ اگست	۰۲:۰۶

مذکورہ بالا جدول کے مطابق یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۹ / جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری بمطابق ۲۴ اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین بروز جمعۃ المبارک ہوا اور یوم النحر اس سے اگلے روز ہوا۔

۱۵۔ ولادت حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۶ اگست ۶۳۰ء	جمعرات	یکم ذی الحجہ ۸ ہجری	یکم جمادی الاولیٰ ۹ ہجری	۱۴ اگست	۰۲:۰۶

اہل سیر و مغازی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کا مہینہ ذی الحجہ ۸ ہجری لکھا ہے (۳۰) زمنی ترتیب کے اعتبار سے یہ ذی الحجہ، قمریہ شمسی تقویم کا ہے اس کا مزید ناقابل تردید ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایام رضاعت میں ہی اپنی عمر کے سترہ مہینے پورے کرنے پر رحلت فرما گئے تھے۔ ان کے یوم انتقال پر اتفاقاً سورج گرہن واقع ہوا تھا (۳۱)۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئس سالہ دور نبوت میں سورج گرہن کی عیسوی و قمری تواریخ کی جدول پیش فرمائی ہے۔ جس کے مطابق آخری سورج گرہن ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین کو بروز سوموار واقع ہوا تھا (۳۲) یہی حضرت ابراہیم بن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ہے۔اس کے بالمقابل قاضی صاحبؒ نے قمری تاریخ ۲۹ شوال ۱۰ ہجری قمری لکھی ہے لیکن ہماری نظر میں یہ تاریخ ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری ہے۔سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی کی مکمل تقابلی تقویمی جدول تو اپنے مقام پر آئے گی، یہاں اس کا متعلقہ حصہ پیش کیا جارہا ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۳۱ دسمبر ۶۳۱ء	منگل	یکم ربیع الثانی ۱۰ ہجری	یکم شوال ۱۰ ہجری	۲۸ دسمبر	۲۰:۳۶

مذکورہ بالا جدول کے مطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین کے بالمقابل قمریہ شمسی تاریخ ۲۸ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی اور قمری تقویم کی تاریخ ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری بروز سوموار بنتی ہے۔حضرت ابراہیمؑ کا انتقال بروایت واقدی ۱۰ ربیع الاول ۱۰ ہجری کو بروز منگل ہوا تھا (۳۳)۔قاضی محمد سلیمان منصور پوری تحریر فرماتے ہیں: ''یہ یاد رکھنا چاہئے کہ واقدی اور ابن سعد نے ولادت ابراہیم ۸ ہجری اور وفات ۱۰ ربیع الاول ۱۰ ہجری تحریر کی ہے۔اس پر ان کا بھی اتفاق ہے کہ یوم وفات کو سورج گرہن تھا۔ان روایات میں ولادت کا ماہ وسال اور علیٰ ہذا وفات کی تاریخ اور مہینہ سب غلط ہیں۔صحیح صرف اس قدر ہے کہ ۱۰ ہجری میں وفات پائی اور اس روز کسوف شمس تھا۔مواہب لدنیہ میں ۱۰ ہجری کے ساتھ تاریخ ۲۸ یا ۲۹ غالباً تہائی ہے مگر مہینہ کا تعین غلط کیا گیا...... حساب لگایا گیا تو ۱۰ ہجری کا سورج گرین ۲۹ رشوال بروز دوشنبہ بمطابق ۳۰/ ۲۷ جنوری ۶۳۲ء ثابت ہوا...... ہندوستان میں اس روز ۲۸ شوال تھی، عرب کے حساب سے ۲۹ ہوسکتی ہے اور اسی کو محمود پاشا فلکی نے اپنے رسالہ ''نتائج الافہام مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ ہجری کے صفحہ ۱۰ پر اختیار کیا ہے۔اب کہ تاریخ ۲۹ شوال ۱۰ ہجری محقق ہوگئی تو امام بخاریؒ کی روایت عن عائشہ صدیقہؓ اور مسند امام احمدؒ کی روایت عن جابرؓ پر بھی غور کرلینا چاہئے، صحیح بخاری میں عمر ۱۷ یا ۱۸ ماہ اور مسند میں پورے ۱۸ ماہ بیان کی گئی ہے۔پس ان روایات صحیحہ سے زمانۂ ولادت متعین کرلینا چاہئے۔۱۸ ماہ پہلے شہور کو شمار کر جاؤ جمادی الاولیٰ ۹ ہجری آئے گا۔یہی مہینہ ولادت سید ابراہیمؑ کا ہوا۔اس تحقیقات سے دیگر سب مختلف روایتوں کا ضعف نمایاں ہوجاتا ہے جو سیدنا ابراہیمؑ کی عمر اور تاریخ وفات کے متعلق ہیں'' (۳۴)

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اپنی شہرہ آفاق کتاب رحمۃ للعالمین میں گو قمری تقویم اور دیگر اقوام کی تقاویم کے سلسلے میں نہایت قیمتی معلومات فراہم فرمائی ہیں مگر ساتھ ہی بعض مقامات پر مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخ کے تعین وغیرہ

میں سنگین تسامحات بھی ان سے سرزد ہوئے ہیں اور اس کی واحد وجہ دیگر سیرت نگاروں کی طرح اس دور کے عربوں کے دوتقویمی نظام سے بے خبر ہونا یا باخبر ہونے کے باوجود اسے نظرانداز کرنا ہے۔ یہی حادثہ محمود پاشا فلکیؒ کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ ہم دوتقویمی نظام کے تحت حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات کے ہجری سالوں کی تقابلی تقویمی جداول کے متعلقہ حصے پیش کئے دیتے ہیں جس سے صحیح صورت حال بالکل نکھر کر سامنے آجاتی ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۶ اگست ۶۳۰ء	جمعرات	یکم ذی الحجہ ۸ ہجری	یکم جمادی الاولیٰ ۹ ہجری	۱۴ اگست	۰۲:۰۶
۳۱ دسمبر ۶۳۱ء	منگل	یکم ربیع الثانی ۱۰ ہجری	یکم شوال ۱۰ ہجری	۲۸ دسمبر	۲۰:۳۶

مذکورہ جدول سے معلوم ہو رہا ہے کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے حضرت ابراہیمؓ کی ولادت کا مہینہ جمادی الاولیٰ ۹ ہجری بالکل صحیح برآمد کیا ہے، لیکن یہ خالص قمری تقویم کا مہینہ ہے جس کے بالمقابل قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ وہی ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی ہے جو سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے۔ بالفاظ دیگر اہل سیر نے حضرت ابراہیمؓ کی ولادت کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں بالکل درست کی ہے جس سے قاضی منصور پوریؒ متعارف نہ تھے، لہٰذا متقدمین اہل سیر کے بیان کردہ مہینے اور سال کو انہوں نے ناحق غلط قرار دے ڈالا۔ سورج گرہن ۲۷/جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین مطابق ۳۰ جنوری ۶۳۲ عیسوی گریگورین کو ہوا تھا۔ یہ حضرت ابراہیمؓ کی تاریخ وفات ہے جس کے بالمقابل خالص قمری تقویم کی تاریخ مذکورہ بالا جدول کی روشنی میں ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری بروز سوموار ہوئی۔ اس لئے مواہب لدنیہ میں تاریخ ۲۸ یا ۲۹ صحیح لکھی ہے البتہ مہینہ ربیع الاول کی بجائے ربیع الثانی ہے۔ سیرت نگاروں نے یہاں بھی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں کی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی میں کبیسہ کا مہینہ محرم کے بعد محرم کو مکرر لا کر ڈالا گیا ہے ورنہ مہینہ ربیع الثانی کی بجائے جمادی الاولیٰ کا بنے گا۔ واضح رہے کہ سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی مکبوس (نسی والا) ۹ سال ہے جیسا کہ سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی کی تقابلی تقویمی جدول سے بھی آئندہ اوراق میں مناسب مقام پر معلوم ہو جائے گا۔ پس حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری بمطابق اگست/ستمبر ۶۳۰ عیسوی

جیولین میں ہوئی اور انتقال ۲۸ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار ہوا۔

۱۶۔ سریہ جریر بن عبداللہ البجلی (مہم انہدام ذوالخلصہ):

تقابلی تقویمی جدول کے متعلقہ حصے یوں ہیں:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۷ جولائی	منگل	یکم ذی قعدہ ۸ ہجری	یکم ربیع الاول ۹ ہجری	۱۵ جولائی	۱۸:۰۲
۱۶ اگست	جمعرات	یکم ذی الحجہ	یکم جمادی الاولیٰ	۱۴ اگست	۰۲:۰۶
۱۴ ستمبر	جمعہ	یکم محرم ۹ ہجری	یکم جمادی الاخریٰ	۱۲ ستمبر	۱۰:۳۷
۱۳ اکتوبر	ہفتہ	یکم صفر	یکم رجب	۱۱ اکتوبر	۲۰:۰۹

زمنی ترتیب کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرۃ الجعرانہ سے مدینے میں مراجعت اواخر ذی قعدہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اواخر ربیع الاول ۹ ہجری قمری بمطابق اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد تیسرے مہینے صفر ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رجب ۹ ہجری قمری بمطابق اکتوبر/ نومبر ۶۳۰ عیسوی جیولین میں نجاشی شاہ حبشہ کی مدینے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی نے بھی اس غائبانہ نماز جنازہ میں شرکت کی تھی۔ (۳۵) سیرت نگاروں نے نجاشی کے انتقال کا مہینہ رجب ۹ ہجری بیان کیا ہے یہ رجب خالص قمری تقویم کا ہوسکتا ہے کیونکہ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اگر نجاشی کے انتقال کا مہینہ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی ہوتا تو غزوہ تبوک کی شہرت کے حوالے سے سیرت نگاروں میں، اس امر پر اتفاق ہوتا کہ نجاشی کا انتقال غزوہ تبوک پر جانے سے کچھ دن قبل ہوا تھا۔ اس کے برعکس اہل سیر میں نجاشی کے انتقال کے مہینے پر اختلاف موجود ہے، چنانچہ بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بعض اہل علم کے نزدیک نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کا واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا

ہے (۳۶) گو مشہور قول رجب ۹ ہجری کا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت جریرؓ بن عبد اللہ البجلی صفر ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رجب ۹ ہجری قمری بمطابق اکتوبر ۶۳۰ عیسوی جیولین سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ یہیں یہ بھی معلوم ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین ترجیح ارد گرد کے علاقوں میں بتوں کو منہدم کرنے کی تھی جس کے لئے آپ ﷺ نے متعدد سرایا روانہ فرمائے۔ ذو الخلصہ تبالہ میں واقع تھا جو مکہ سے سات رات، ور مدینے سے کوئی چودہ رات کی مسافت پر واقع تھا، لہٰذا اس مہم کی تکمیل میں کوئی ایک ماہ سے اوپر وقت لگا ہوگا، حضرت جریرؓ بن عبد اللہ البجلی کی نجاشی کے غائبانہ جنازے میں شرکت تبھی ممکن ہے جبکہ وہ اس سے کوئی ایک ماہ پہلے اس مہم پر روانہ ہوئے ہوں، یعنی اس مقصد کے لئے وہ اواخر ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی/ اوائل محرم ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اواخر جمادی الاولیٰ/ اوائل جمادی الاخریٰ ۹ ہجری قمری بمطابق ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین میں روانہ ہوئے ہوں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے اسلام بھی انہی ایام میں یا ان سے کچھ پہلے فتح مکہ کے بعد قبول کیا ہوگا۔ ابن عبد البرؒ کی پختہ رائے ہے کہ جریر بن عبد اللہ البجلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چالیس روز پہلے اسلام قبول کیا تھا، لیکن اس رائے کا غلط ہونا صحیحین کی اس روایت سے بخوبی ثابت ہو رہا ہے جس کے مطابق حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبد اللہ کو یہ فریضہ سونپا تھا کہ وہ لوگوں کو خاموش کرائیں۔ واقدی کے خیال میں حضرت جریرؓ بن عبد اللہ البجلی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رمضان ۹ ہجری میں حاضر ہوئے تھے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے واقدی کے اس قول کو غیر معتبر قرار دیا ہے کیونکہ بروایت طبرانیؒ حضرت جریرؓ نے نجاشی شاہ حبشہ کے جنازے میں شرکت کی تھی۔ (۳۷)

حضرت جریرؓ بن عبد اللہ ذو الخلصہ کے انہدام کے لئے اپنی قوم احمس کے ڈیڑھ سو شہسوار لے کر گئے تھے اور وہاں انہوں نے کچھ مشرکین کو قتل بھی کیا چنانچہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں حضرت جریرؓ بن عبد اللہ کے یہ کلمات بھی ہیں فکسرناہ و قتلنا من وجدنا عندہ (۳۸) ''پھر ہم نے اس (بت خانے) کو توڑ ڈالا اور جو (مشرکین) ہم نے اسکے قریب پائے انہیں ہم نے قتل کر دیا'' اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک ان کی قوم کے لوگ اچھی خاصی تعداد میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ امام ابوداؤدؒ کی روایت کے مطابق قبیلہ احمس کے ایک سردار صخر بن علیہ الاحمسی کو جب علم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کر رکھا ہے تو وہ اپنے سواروں کے ہمراہ آپ کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، لیکن صخر کے وہاں پہنچنے سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محاصرہ اٹھا کر مدینہ

روانہ ہو چکے تھے، صخر بن علیہ نے ثقیف (اہل طائف) کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور اطاعت پر مجبور کیا پھر انہی صخر بن علیہ نے ثقیف کے وفد کے ہمراہ مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذی قعدہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الثانی ۹ ہجری قمری بمطابق جولائی/ اگست ۶۳۰ عیسوی تک یعنی فتح مکہ کے جلد بعد ہی احمس کے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اور یہی زمانہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کے اسلام قبول کرنے کا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی کے قبول اسلام میں تاخیر پر ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ان کی طرف منسوب روایات میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ میں نے اسلام سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد قبول کیا تھا اور یہ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے اور صحیحین سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھی حضرت جریرؓ سے موزوں پر مسح والی حدیث پر مطمئن اور خوش تھے (۳۹) اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ مائدہ کی ابتدائی آیات میں آیت وضو بھی ہے۔ اگر حضرت جریرؓ بن عبداللہ نے سورہ مائدہ کے نزول سے پہلے اسلام قبول کیا ہوتا تو یہ شبہہ کیا جا سکتا تھا کہ شاید آیتِ وضو نے موزوں پر مسح کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے جب صورت حال اس کے برعکس ہے تو ثابت ہوا کہ موزوں پر مسح کا تعلق آیتِ وضو سے نہیں ہے۔ الغرض حضرت جریرؓ بن عبداللہ نے سورہ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور سورہ مائدہ بالاتفاق مدنی سورت ہے اور مدنی سورتوں میں بھی آخری سورت ہے، لہٰذا حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی متاخر الاسلام ہیں۔ اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ بعض اہل علم مثلاً ابو حیانؒ نے تفسیر بحر محیط میں واضح کیا ہے کہ سورۃ مائدہ کے بعض اجزا سفرِ حدیبیہ میں اور بعض فتح مکہ کے سفر میں اور بعض حجۃ الوداع کے سفر میں نازل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت نزول قرآن کے آخری مراحل میں نازل ہوئی ہے خواہ بالکل آخری سورت نہ ہو (۴۰) حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے قبول اسلام کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کا یہ فرمانا کہ میں نے سورہ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام قبول کیا تھا، دراصل پوری سورہ مائدہ کی طرف نہیں بلکہ اسکے بعض اجزا بشمول آیت وضو کی طرف اشارہ کرنا ہے اور ممکن ہے آیت وضو کا نزول سفر حدیبیہ کے زمانے میں ہوا ہو، کیونکہ اسی آیت میں تیمّم کے احکام بھی ہیں اور اس سفر میں پانی کی قلت کا تذکرہ اہل سیر نے کیا ہے کہ حدیبیہ کی پانی کی جگہوں پر قریش مکہ اور ان کے حلیفوں نے پہلے سے قبضہ کر رکھا تھا، ورنہ یہ امر بظاہر تعجب خیز ہے کہ پانچ نمازوں کی فرضیت تو

معراج کے موقع پر ہوئی ہو اور وضو کے احکام بالکل آخر میں سال ۱۰ ہجری میں جا کر نازل ہوئے ہوں۔ قرآنی سورتوں کو مکی یا مدنی تغلیباً کہا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ مکی اور مدنی کی اصطلاح کا ہر ہر آیت پر اطلاق یقینی طور پر صحیح ہو۔

ابن عبد البرّ مالکیؒ نے حضرت جریرؓ بن عبد اللہ کے قبول اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک سے چالیس دن پہلے کا واقعہ غالباً اس لئے قرار دیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریرؓ بن عبد اللہ البجلی کو یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا اور ان کی ملاقات وہاں کے دو سرداروں ذوکلاع اور ذوعمرو سے ہوئی۔ دونوں نے اسلام قبول کرلیا اور مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے مگر ان کے مدینہ میں پہنچنے سے پہلے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما چکے تھے لیکن حضرت عبد اللہؓ بن جریر کا یہ سفرِ یمن مہم انہدام ذوالخلصہ کے سفر سے الگ ہے جیسا کہ صحیح بخاری کے متن سے بھی واضح ہے (۴۱) اس لئے ابن عبد البرؒ کی مذکورہ رائے صحیح نہیں ہے۔ الغرض ہماری نظر میں سریہ جریر بن عبد اللہ البجلی برائے انہدام ذوالخلصہ کا واقعہ اواخر ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی / اوائل محرم ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اواخر جمادی الاولیٰ / اوائل جمادی الاخریٰ ۹ ہجری قمری بمطابق ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

توقیتی جدول سال ۸ ہجری قمریہ شمسی، ۸۔۹ ہجری قمری، ۶۲۹۔۶۳۰ عیسوی جیولین

نمبر شمار	اہم واقعات	قمریہ شمسی ہجری	دن	قمری ہجری	عیسوی جیولین
۱	سریہ ذات السلاسل	جمادی الاخریٰ ۸ ہجری	۔	ذی قعدہ ۸ ہجری	فروری / مارچ ۶۳۰ء
۲۔	سریہ ابوقتادہ انصاریؓ (مہم خضرہ)	شعبان	۔	محرم ۹ ہجری	اپریل / مئی
۳۔	سریہ ابوقتادہ انصاریؓ (مہم بطن اضم)	اوائل رمضان	۔	اوائل صفر	اواخر مئی

۴۔	غزوہ فتح مکہ، روانگی بلحاظ مدنی رویت ہلال	۱۰رمضان	بدھ	۱۰سفر	۳۰مئی
	روانگی بلحاظ مکی رویت ہلال	(۱۱رمضان) ۸ہجری	بدھ	(۱۱صفر) (۹ہجری	ایضاً
۵۔	فتح مکہ بلحاظ مکی رویت ہلال	۲۰رمضان	جمعہ	۲۰صفر	۸جون ۶۳۰عیسوی
۶۔	سریہ سعدؓ بن زید الاشہلی/ انہدام مُنات	۲۴رمضان	منگل	۲۴صفر	۱۲جون
۷۔	سریہ خالدؓ بن ولید (انہدام عُزّی)	۲۵رمضان	بدھ	۲۵صفر	۱۳جون
۸۔	سریہ عمرؓو بن العاص (اہندام سواع)	رمضان	۔	صفر	جون
۹۔	سریہ خالدؓ بن ولید (مہم بنی جذیمہ)	شوال	۔	ربیع الاول	جون
۱۰۔	سریہ طفیلؓ بن عمرو الدوسی	شوال	۔	ربیع الاول	جون
۱۱۔	غزوہ حنین (روانگی	۶شوال	ہفتہ	۶ربیع الاول	۲۳جون ۶۳۰ء
۱۲۔	ورود حنین	۱۰شوال	(بدھ)	۱۰ربیع الاول	۲۷جون

۱۳۔	سریہ ابو عامر اشعریؓ	شوال	۔	ربیع الاول	اواخر جون/ اوائل جولائی
۱۴۔	غزوہ طائف (روانگی)	شوال ۸ ہجری	۔	ربیع الاول ۹ ہجری	ایضاً
	(مراجعت)	ذی قعدہ	۔	ربیع الثانی	اواخر جولائی
۱۵۔	عمرۃ الجعرانہ	ایضاً	۔	ایضاً	ایضاً
۱۶۔	حج عتاب بن اسید (یوم عرفہ)	۹ ذی الحجہ	جمعہ	۹ جمادی الاولیٰ	۲۴ اگست
۱۷۔	ایضاً (یوم النحر)	۱۰ ذی الحجہ	ہفتہ	۱۰ جمادی الاولیٰ	۲۵ اگست
۱۸۔	رسول اکرم ﷺ کی مدینہ میں مراجعت	۲۴ ذی قعدہ	جمعرات	۲۴ ربیع الثانی	۹ اگست
۱۹۔	ولادت حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ	ذی الحجہ	۔	جمادی الاولیٰ	اگست/ستمبر ۶۳۰ء
۲۰۔	سریہ جریرؓ بن عبداللہ البجلی	(اواخر ذی الحجہ ۸ ہجری/ اوائل محرم ۹ ہجری	۔	اواخر جمادی الاولیٰ/ اوائل جمادی الاخریٰ	ستمبر

سال ۹ ہجری قمریہ شمسی، ۹۔۱۰ ہجری قمری، ۶۳۰۔۶۳۱ عیسوی جیولین

۱۔ وصولی صدقات:

جیسا کہ سال ۸ ہجری قمریہ شمسی کے واقعات میں مذکور ہو چکا ہے، غزوہ فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ طائف سے فراغت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا۔ عمرہ پورا کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی مراجعت اواخر ذی قعدہ ۸ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اواخر ربیع الثانی ۹ ہجری قمری بمطابق اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین میں ہوئی، اس وقت سے رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ذی الحجہ ۹ ہجری قمری بمطابق مارچ / اپریل ۶۳۱ عیسوی جیولین تک آپ ﷺ نے مدینے ہی میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ اطرف وجوانب سے آنے والے وفود کا استقبال فرماتے رہے۔ ان وفود کی آمد سے اسلام کی نشر واشاعت میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ ان نومسلموں سے صدقات کی وصولی کے لئے آپ ﷺ نے عاملین زکوۃ کا تقرر کر کے انہیں مختلف علاقوں میں بھیجا۔ اکثر عاملین زکوۃ کو محرم ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق جمادی الاخریٰ ۹ ہجری قمری بمطابق ستمبر/ اکتوبر ۶۳۰ عیسوی جیولین میں بھیجا گیا۔ تاہم بعض عاملین کی روانگی متعلقہ قبیلے کے قبول اسلام کے بعد خاصی تاخیر سے ہوئی ان عاملین (تحصلیداران زکوۃ) کی فہرست یہ ہے:

عمال کے نام	وہ قبیلہ جس سے زکوۃ وصول کرنی تھی
۱۔ عیینہؓ بن حصن	بنوتمیم
۲۔ یزیدؓ بن الحصین	اسلم وغفار
۳۔ عبادؓ بن بشیر الاشہلی	سُلیم ومُزنیہ
۴۔ رافعؓ بن مکیث	جُہینہ
۵۔ عمروؓ بن العاص	بنوفزارہ
۶۔ ضحاکؓ بن سفیان	بنوکلاب
۷۔ بشیر بن سفیان	بنوکعب
۸۔ ابن اللُّتبیہ اَزْدی	بنوذبیان
۹۔ مہاجرؓ بن امیہ	شہر صنعاء (ان کی موجودگی میں وہاں اسود عنسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا)
۱۰۔ زیادؓ بن لبید	علاقہ حضر موت
۱۱۔ عدیؓ بن حاتم	طی وبنواسد

۱۲۔ مالکؓ بن نویرہ	بنوحنظلہ
۱۳۔ زبرقان بن بدر	بنوسعد کی ایک شاخ
۱۴۔ قیس بن عاصم	بنوسعد کی دوسری شاخ
۱۵۔ علاءؓ بن الحضرمی	علاقہ بحرین
۱۶۔ علیؓ بن ابی طالب	علاقہ نجران برائے وصولی زکوٰۃ وجزیہ

۲۔ سریہ عیینہؓ بن حصن الفزاری:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہؓ بن حصن فزاری کو پچاس سواروں کے ہمراہ بنوتمیم کے ایک علاقے سُقیاء کی جانب روانہ فرمایا کیونکہ وہاں کے لوگوں نے قبائل کو مشتعل کر کے صدقات کی ادائیگی سے روک رکھا تھا۔ اس سریے میں کسی مہاجر یا انصاری کو نہیں بھیجا گیا تھا۔ عیینہؓ بن حصن دن کو چھپے رہتے تھے اور رات کو سفر جاری رکھتے یہاں تک کہ صحرا میں بنوتمیم پر انہوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ بنوتمیم نے راہ فرار اختیار کی۔ ان کے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار ہوئے جنہیں مدینہ میں لا کر رملہ بنت حارث کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ بعد میں بنوتمیم کا ایک وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے ان قیدیوں کو واپس فرما دیا۔ یہ سریہ محرم ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق جمادی الاخری ۹ ہجری قمری بمطابق ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۳۔ سریہ قطبہؓ بن عامر انصاری:

یہ سریہ یمن میں تبالہ کے قریب بیشہ کے علاقے میں قطبہؓ بن عامر کی زیر امارت بیس آدمیوں کے ہمراہ قبیلہ بنوخثعم کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ ان کے پاس دس اونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ شدید لڑائی کے بعد یہ مہم کامیاب رہی مگر حضرت قطبہؓ کچھ دیگر افراد سمیت شہید ہوئے مسلمان ان کے بال بچوں اور بھیڑ بکریوں کو مال غنیمت میں مدینہ ہانک لائے۔ خُمس نکالنے کے بعد چار چار اونٹ ہر ایک کے حصے میں آئے۔ ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔ بیشہ بلاد یمن میں ایک وادی کا نام ہے جس میں لوگ بکثرت آباد تھے اور اس میں کھجور کے چھوٹے بڑے بے شمار درخت تھے یہ وادی، مکے سے پانچ مرحلے کی مسافت پر یمن سے متصل تھی۔ یہ سریہ صفر ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رجب ۹ ہجری

قمری بمطابق اکتوبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۴۔ نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال:

صفر ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رجب ۹ ہجری قمری بمطابق اکتوبر/ نومبر ۶۳۰ عیسوی جیولین میں اصحمہؓ نجاشی شاہ حبشہ نے وفات پائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

۵۔ وفات ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ربیع الاول ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق شعبان ۹ ہجری قمری بمطابق نومبر/ دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین میں وفات پائی۔ ان کے غسل وکفن کے انتظامات خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے اور جنازہ بھی آپ ﷺ نے ہی پڑھایا۔ علامہ ابن عبدالبرّ القرطبی (متوفّی ۴۶۳ ہجری) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم کا انتقال ۹ ہجری میں ہوا اور نماز جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔ ان کی قبر میں حضرت علیؓ، فضلؓ اور اسامہ بن زیدؓ اترے تھے اور روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قبر میں اترنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ انہیں اجازت دے دی امام ابوعبداللہ القرطبیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قبر میں حضرت علی، حضرت فضل اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم اترے تھے (۴۲) صحیح بخاری میں متعلقہ روایت کے الفاظ یوں ہیں **ھل منکم رجل لم یقارف اللیلۃ فقال ابو طلحۃ انا، قال فانزل فنزل فی قبرھا** (۴۳) ''یعنی کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات 'مُقارفت'' نہ کی ہو تو ابوطلحہؓ نے عرض کیا میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو (قبر میں) اتر تو وہ ان (ام کلثوم) کی قبر میں اترے''۔ یہاں **لم یُقارف** کا ترجمہ اکثر شارحین بخاری نے یہ کیا ہے ''جس نے (بیوی سے) مقاربت نہ کی ہو''۔ علامہ عینیؒ نے خطابی کا قول نقل کیا ہے کہ **لم یُقارف** کا معنی یہ ہے کہ کوئی گناہ نہ کیا ہو اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اپنی بیوی سے صحبت نہ کی ہو (۴۴) یہاں سخت تعجب پیدا ہوتا ہے کہ کیا اپنی بیوی کے پاس جانا ایسا جرم ہے کہ انسان کسی کی قبر میں

اترنے کے لائق نہ رہے اور اور کیا سوائے حضرت ابوطلحہؓ کے باقی سب کے سب (معاذ اللہ) اس جرم کے مرتکب تھے؟ اس حدیث کے ایک راوی فلیح بن سلیمان کے متعلق یحییٰ بن معینؒ کا قول ہے کہ یہ شخص صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہتا تھا۔ یحییٰ بن معینؒ، امام ابوحاتمؒ اور امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ فلیح بن سلیمان قوی نہیں۔ یحییٰ بن معین کا یہ بھی کہنا ہے کہ تین اشخاص محمد بن طلحہ بن مصرف، ایوب بن عتبہ اور فلیح بن سلیمان کی روایت سے بچنا چاہئے (۴۵) اس وضاحت کے بعد روافض کے طعن اور اکثر شارحین بخاری کی رکیک تاویلات از خود کالعدم ہو جاتی ہیں خصوصاً جب یہ معلوم ہو چکا کہ فلیح بن سلیمان صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہتا تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہاں یہ تاویل کی ہے کہ اس امر کا احتمال موجود ہے کہ **ھل منکم رجل لم یقارف اللّیلۃ** سے خطاب سب حاضرین سے نہ ہو بلکہ صرف ان حضرات سے ہو جو قبروں کی کھدائی کرتے ہیں (۴۶) لیکن یہ اشکال برقرار رہے گا کہ بیوی کے پاس جانا اگر جرم ہے تو نکاح کو بھی معاذ اللہ جرم قرار دینا چاہئے۔ علامہ عینیؒ نے لم یقارف کا معنیٰ کیا ہے کہ (آج رات) کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سوائے ابوطلحہؓ کے باقی سب اصحابؓ نے رات کے وقت کوئی نہ کوئی گناہ کیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ جب ناموسِ صحابہ کرامؓ کی بجائے، (جن کی مدح سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے) نظر صرف امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو بچانے پر ہو تو ایسی ہی تاویلات رکیکہ کا سہارا لینا پڑے گا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ام کلثومؓ طویل عرصے سے علیل تھیں جس روز ان کا انتقال ہوا، حضرت عثمانؓ اپنی ایک لونڈی کے پاس گئے تھے اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا کہ میری بیٹی تو بستر مرگ پر تھی اور عثمانؓ اپنی کنیز سے مقاربت کر رہے ہیں۔ روافض نے اسے [illegible] رنگ دیا، یہ رکیک تاویل اس لئے بھی لغو ہے کہ حضرت عثمانؓ کو اپنی اہلیہ کے انتقال پر شدید صدمہ تھا بعد میں کسی موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں انہیں عثمان کے نکاح میں دے جاتا۔ اگر آپ ﷺ حضرت عثمانؓ سے ناراض ہوئے ہوتے تو ہرگز اس طرح کے کلمات سے ان کی دل جوئی نہ فرماتے۔ نیز یہ امر بھی محل نظر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے زوجہ ہوتے ہوئے کوئی اور بیوی یا کنیز بھی ہو سکتی ہے؟۔ یہاں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی یہ عبارت آبِ زر سے لکھی جانے کے لائق ہے۔ تاویلاتِ رکیکہ کا سہارا لینے والوں کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ اسے بار بار پڑھیں:

''ایک خاص بات یہ بھی قابل غور ہے کہ ہمارے محدثین نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ اہل بدعت سے روایت لے لی جائے بہ چند شرائط، اول یہ کہ ان کی بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچی ہو، دوم یہ کہ ان

کا صدق معلوم ہوگیا ہو یعنی کسی محدّث نے ان پر کذب کی جرح نہ کی ہو، سوم یہ کہ وہ روایت ان کی بدعت کی مؤید نہ ہو۔ اسی اصول کی بنا پر امام بخاریؒ جیسے عالی مرتبہ محدث نے بعض شیعوں سے روایت لے لی اور صحیح بخاری میں درج فرمائی مثل یونس بن خباب کے جس کا تشیّع تبرآئیت کی حدتک پہنچا تھا۔ حالانکہ ہمارے علمائے سابقین کو پوری حقیقت مذہب شیعہ کی معلوم ہی نہ تھی اور معلوم کیوں کر ہوسکتی تھی۔ اس مذہب کے لوگ بہت ہی کم تھے اور جو تھے بھی تو وہ اپنے مذہب کے چھپانے میں بے حد اہتمام کرتے تھے۔ مذہب کا ظاہر کرنا ان کے یہاں بڑا مذہبی جرم تھا۔ لہذا ہمارے علما اس امر کا فیصلہ کر ہی نہ سکے کہ ان کی بدعت حد کفر تک پہنچتی ہے یا نہیں۔ ہمارے علما کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مذہب میں جھوٹ بولنا عبادت ہے ورنہ وہ کبھی کسی شیعہ کی بابت یہ خیال بھی نہ کرتے کہ وہ صادق ہوسکتا ہے، پھر جب مذہب شیعہ کی پوری حقیقت معلوم ہی نہ تھی تو فیصلہ کیوں کر کیا جاسکتا تھا کہ یہ روایت ان کی بدعت کی مؤیّد ہے یا نہیں۔ یہ حال تو ان شیعوں کی روایت کا ہے جن کا شیعہ ہونا معلوم تھا اور جن شیعوں نے تقیّہ کر کے سنّی بن کر ہمارے محدثین کو دھوکے دیئے ان میں سے جن کا حال تنقید کے بعد ظاہر ہوگیا وہ ظاہر ہوگیا اور جن کا حال نہ ظاہر ہوا ہوان کا علم سوا عالم الغیب کے کس کو ہوسکتا ہے؟ ان وجوہ سے جو روایتیں اعمال سے تعلق نہیں رکھتیں محققین کے نزدیک وہ بہت عمیق تحقیق اور شدید تنقید کی محتاج ہیں، البتہ اعمال کی روایات میں جن کی تصدیق تعامل سے ہوجاتی ہے ان سے اشتباہ دور ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی سخت تاکید رہتی تھی کہ جو روایتیں اعمال سے تعلق رکھتی ہیں انہیں کی روایت کی جائے دوسری روایات نہ بیان کی جائیں۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے **قال ابو هريرة لما ولی عمر قال اقلوا الرواية من رسول الله صلى الله عليه وسلم الّا فيما يُعمل به** حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو مگر اعمال کے متعلق'' (۴۷)

مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی مندرجہ بالا عبارت کے بعض حصوں سے اگر اختلاف بھی کیا جائے تو اتنی بات تو عقل سلیم کے عین مطابق ہے کہ جن روایات کے راوی صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہنے سے چوکتے نہ ہوں اختلافی مسائل میں ان کی روایت ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتی، خواہ ایسی کوئی روایت صحیحین میں ہی کیوں نہ موجود ہو، کیونکہ عقیدت کو بہرحال حقیقت سے بھی ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ دور حاضر میں جب کہ ہر فریق کی کتب اسماء الرجال عام ہوچکی ہیں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ان لوگوں کا پتا چلایا جائے جو بیک وقت دونوں کشتیوں میں سوار ہوکر تاریخی روایات کے معاملے میں تفریق بین المؤمنین کا مکروہ فریضہ

شعوری یا غیر شعوری طور پر سرانجام دے رہے تھے، اگر ایسے کچھ راوی صحیحین میں بھی مل جائیں تو یقین رکھئے اس سے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی قدر و منزلت میں ہرگز کوئی کمی واقع نہ ہوگی بلکہ اضافہ ہی ہوگا۔

حضرت عثمانؓ کے نکاح میں چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئی تھیں اس لئے انہیں ذوالنورین (دونوروں والا) کہا جاتا ہے۔

۶۔سریہ ضحاکؓ بن سفیان:

اسے سریہ بنی کلاب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ قرطاء کی جانب یہ سریہ بنو کلاب کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ چھیڑ دی لیکن وہ مغلوب ہوئے اور ان کا ایک آدمی قتل ہوا۔ یہ سریہ ربیع الاول ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق شعبان ۹ ہجری قمری بمطابق نومبر/دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۷۔سریہ علقمہؓ بن مجزّز رمدلجی:

تین سو افراد پر مشتمل یہ سریہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علقمہؓ بن مجزّز کی زیر امارت جدّہ کے ساحل کی جانب روانہ فرمایا جہاں کچھ حبشی جمع ہو گئے تھے جو اہل مکہ پر ڈاکہ زنی کرنا چاہتے تھے۔ حضرت علقمہؓ ان کے تعاقب میں سمندر میں اتر کر ایک جزیرے تک پہنچے۔ مسلمانوں کی آمد پر حبشی منتشر ہو گئے۔ یہ سریہ ربیع الثانی ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۹ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۸۔سریہ علیؓ بن ابی طالب (مہم فُلس):

یہ سریہ قبیلہ بنوطی کے بت فُلس کو منہدم کرنے کے لئے ڈیڑھ یا دوسو سواروں کی معیت میں حضرت علیؓ کی زیر امارت بھیجا گیا۔ آپ نے اس بت کو منہدم کر دیا۔ اونٹ بکریاں، قیدی اور دیگر مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ قیدیوں میں، عرب میں سخاوت اور مہمان نوازی میں ضرب المثل شخص حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی۔ سفانہ کا بھائی عدی بن حاتم شام بھاگ گیا تھا۔ سفانہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی رہائی کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ میں بوڑھی ہوں کسی کی خدمت نہیں کر سکتی۔ باپ فوت ہو چکا ہے اور جو یہاں آ سکتا تھا وہ لاپتہ ہے آپ مجھ پر احسان فرمائیں اللہ آپ پر احسان فرمائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر سفانہ نے بتایا کہ میری رہائی کے لئے عدی بن حاتم آسکتا تھا جو خود لاپتہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہی جو اللہ اور رسول سے بھاگا ہے؟'' پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی مکالمہ ہوا تو آپ ﷺ نے سفانہ کو آزاد کردیا۔ حضرت علیؓ کے اشارے پر اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری فراہم کرنے کی بھی درخواست کی جو آپ ﷺ نے قبول فرمائی۔ سفانہ اس حسن سلوک سے بیحد متاثر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئی اس کی درخواست پر آپ ﷺ نے بنوطی کے قیدی بھی بلامعاوضہ رہا فرمادئے جن کی تعداد نوسو تھی۔ اب حضرت سفانہؓ اپنے بھائی کی تلاش میں شام گئیں اور اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ تمہارا باپ بھی اتنا بڑا احسان نہیں کرسکتا تھا اس لئے تم رغبت یا خوف کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجاؤ۔ عدی بن حاتم اپنی بہن کے مشورے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے آئے۔ آپ ﷺ انہیں اپنے گھر لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد ان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ میں خود ایک دین کا ماننے والا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے دین کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔ عدی نے حیرت سے کہا کیا آپ میرے دین کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں! کیا تم مذہباً رکوسی نہیں تھے اور اپنی قوم کے مال غنیمت کا چوتھائی نہیں کھاتے ہو؟ عدی نے ہاں میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ تو تمہارے دین کی رو سے تمہارے لئے حلال نہیں تھا'' عدی کو اعتراف کرنا پڑا۔ رکوسی مذہب، عیسائی اور صابی مذاہب کے درمیان تیسرا مذہب تھا۔ دوران گفتگو آپ ﷺ نے پوچھا ''تم کس چیز سے بھاگ رہے ہو، کیا لا الٰہ الا اللہ کہنے سے بھاگ رہے ہو؟ کیا اللہ کے سوا کسی اور معبود کا تمہیں علم ہے؟'' عدی نے کہا ''نہیں''۔ پھر کچھ گفتگو کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ''اچھا، تم اس سے بھاگ رہے ہو کہ اللہ اکبر کہا جائے تو کیا اللہ سے بڑا کسی اور کو تم جانتے ہو؟'' عدی نے کہا ''نہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''سنو! یہود پر اللہ کا غضب ہے اور نصاریٰ گمراہ ہیں'' عدی نے کہا میں تو (تمام غلط راستوں کو چھوڑنے والا) یک رخا مسلمان ہوں۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک اٹھا۔ حضرت عدیؓ کو ایک انصاری صحابی کے ہاں ٹھہرایا گیا اور وہ صبح وشام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عدیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر فاقے کی اور پھر دوسرے نے رہزنی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک

کجاوہ نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی، خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی چیز کا خوف نہ ہوگا اور اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے اور اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ آدمی چلّو بھر سونا یا چاندی نکالے گا اور ایسے شخص کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کرے مگر اسے ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا۔ حضرت عدیؓ کا بیان ہے کہ پہلی دونوں باتیں تو میں نے دیکھ لیں اور اگر تم لوگوں کی عمر دراز ہوئی تو تم تیسری چیز بھی دیکھ لو گے جو نبی ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ آدمی چلّو بھر سونا یا چاندی نکالے گا اور ایسے شخص کو تلاش کرنے میں ناکام رہے گا جو اسے قبول کرے۔

یہ سریہ بھی ربیع الثانی ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۹ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۹۔ حج ابوبکر صدیقؓ:

سریہ موتہ کے بعد مسلمانوں کو یہ خطرہ مسلسل لاحق رہا کہ اس دور کی طاقتور ترین رومی حکومت انتقامی کاروائی کر سکتی ہے۔ سال ۹ ہجری قمریہ شمسی کے وسط میں مدینے میں لگاتار یہ خبریں پھیلنے لگیں کہ رومی لوگ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ شام سے جو تاجر زیتون کا تیل لاکر مدینے میں فروخت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ خبر دی کہ ہرقل قیصر روم نے تبوک کے مقام پر چالیس ہزار کا لشکر جمع کر رکھا ہے اور فوجیوں کو پورے سال کی تنخواہیں پیشگی دے دی ہیں، تاکہ وہ جنگ میں پورے اطمینان اور دل جمعی سے شریک ہوں۔ اور وہاں کے بعض عیسائی عرب قبائل لخم اور جذام وغیرہ سے بھی انکی ساز باز ہے۔ ان کا ارادہ مدینے پر یک بارگی حملہ آور ہونے کا ہے۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رومی علاقے میں پیش قدمی کا فیصلہ فرمایا کہ دشمن کے مدینہ پر حملہ آور ہونے سے پہلے ہی اس کا اسی کے اپنے علاقے میں صفایا کر دیا جائے۔

اسی دوران ایام حج بھی آگئے اور مسلمانوں پر حج اسی سال فرض ہو چکا تھا۔ اس دور کی رومی حکومت کو بجا طور پر اپنے وقت کی عالمی قوت (ورلڈ پاور) کہا جا سکتا ہے۔ ایسی حکومت کے خلاف جنگی تیاریاں اور پھر انہی کے علاقے میں پیش قدمی کر کے ان کا راستہ روکنا معمولی کام نہ تھا۔ ان غیر معمولی حالات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرما کر ان کے ہمراہ تین سو آدمیوں کو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے بھیجا۔ بقول واقدی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بیس بُدنے یعنی قربانی کے اونٹ روانہ فرمائے۔خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پانچ بدنے تھے۔حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زیر امارت حج پر جانے والے لوگوں میں حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف بھی شامل تھے۔اگر حالات سنگین نہ ہوتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ہمراہ خود حج کے لئے تشریف نہ بھی لے جاتے تو بھی مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد کو حج پر ضرور روانہ فرماتے۔یہ عجیب اتفاق تھا کہ ان دنوں خالص قمری تقویم کا ذی الحجہ ۹ ہجری قمری، دور جاہلیت سے جو قمریہ شمسی تقویم چلی آرہی تھی اس کے رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی کے مقابل تھا جو دور جاہلیت سے مشرک قبائل کے لئے عمرے کا مہینہ تھا۔رجب قمریہ شمسی میں عمرے کو وہ حج اصغر اور ذی الحجہ قمریہ شمسی میں حج کو وہ حج اکبر کہا کرتے تھے۔یوں مسلمانوں کا حج اکبر اور مشرکین کا حج اصغر (عمرہ) دونوں ایک ہی مہینے میں جمع ہو گئے تھے۔اہل سیر و مغازی نے دو تقویمی التباس کی بنا پر غزوہ تبوک کو مقدم اور حج ابی بکر صدیقؓ کو مؤخر کر دیا۔ان تمام امور کی ہم انشاءاللہ بھرپور وضاحت آئندہ صفحات میں توقیتی مباحث میں کریں گے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے روانہ ہونے کے بعد سورۂ توبہ (برأت) کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکین سے معاہدوں کو ختم کرنے اور ان سے برأت یعنی بیزاری کا مضمون ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی اونٹنی قصواء پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پیچھے روانہ فرمایا تاکہ یوم حج اکبر پر آپ ﷺ کی جانب سے مذکورہ اعلانِ برأت کر دیں کیونکہ خون اور مال کے عہد و پیمان کے سلسلے میں عربوں میں یہی طریقہ رائج تھا کہ متعلقہ شخص یا تو خود اعلان کرے یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے ایسا اعلان کرائے خاندان سے باہر کسی شخص کا اعلان تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اعلان برأت کے لئے خود تشریف نہیں لے گئے کیونکہ ایک تو آپ رومیوں کے خلاف جنگی تیاریوں کی منصوبہ بندی فرما رہے تھے دوسرے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امارتِ حج کے منصب سے ہٹانا نہیں چاہتے تھے، چنانچہ حضرت علیؓ جب عرج یا وادی ضجنان میں پہنچے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی آواز سن کر پہلے تو یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے ہیں پھر جب حضرت علیؓ کو دیکھا تو فوراً ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور ہیں۔حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں مامور ہوں یعنی امیر الحج بدستور آپ ہی رہیں گے اور آپ ہی کی زیر امارت میں حج میں شریک ہو کر اعلان برأت کروں گا۔پھر دونوں آگے بڑھے۔حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لوگوں کو حج کرایا۔روایات کے مطابق میدان عرفات میں ۹ رجب

۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۹ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری بمطابق ۱۹ مارچ ۶۳۱ عیسوی جیولین بروز منگل اور اس کے اگلے دن بروز بدھ دس تاریخ یعنی یوم النحر کو بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ نے عموماً اور حضرت علیؓ نے خصوصاً وہ اعلان عام کیا جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا یعنی تمام عہد والوں کے عہد ختم کر کے انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی اور جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں تھا انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ البتہ جن مشرکین نے مسلمانوں سے امن کا وعدہ نبھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی، ان کے عہد کی مدت کو برقرار رکھا گیا۔ یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور نہ ہی کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کرے گا اور یہ کہ جنت میں صرف مؤمن ہی جائے گا۔ مذکورہ اعلان برأت بلند آواز سے بار بار کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی اعلان کرنے والوں میں شامل تھے جن کا گلا اعلان کرتے کرتے بیٹھ گیا تھا۔ چونکہ اعلانِ برأت صرف منیٰ ہی میں نہیں بلکہ احتیاطاً عرفات میں بھی کیا گیا تھا، لہٰذا حج اکبر کے دن کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہوا کہ یہ ۹ ذی الحجہ کا یوم عرفہ ہے یا ۱۰ ذی الحجہ کا یوم النحر ہے۔ گو عمرے کے لئے منیٰ اور عرفات میں جانا نہیں ہوتا، لیکن مسلمانوں کو کوئی دو سو برس سے بھی زائد مدت کے بعد پہلی مرتبہ خالص قمری ذی الحجہ ۹ ہجری قمری میں حج کرتے دیکھنا مشرکین کے لئے عرفات اور منیٰ میں پہنچنے کا ایک فطری سبب تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق تاریخ و حدیث کی کتب میں موجود روایات میں تطبیق سے جو صورتِ حال سامنے آتی ہے، اسے اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ تاہم تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ یہ حج حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی نے کرایا تھا وہی اس کے امیر تھے اور حضرت علیؓ کے ذمے جو اعلان برأت تھا، اس کے اعلان میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر بعض حضرات نے ان کی بھرپور معاونت کی۔ ارکان اسلام میں نماز اور حج دو ایسے عظیم الشان ارکان ہیں جو اجتماعی حیثیت سے ادا کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ سعادت عظمیٰ حاصل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امیر الحج مقرر فرمایا پھر اپنے مرض الموت میں نماز کی امامت کے لئے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی پر آپ کی نظر انتخاب پڑی جس کی بنا پر تمام صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد انہیں خلیفۃ الرسول کے منصب کے لئے موزوں ترین قرار دیتے ہوئے ان کی امارت و خلافت کو برضا و رغبت قبول کیا اور شروع میں پیدا ہونے والے اختلافِ رائے کو انہوں نے بجا طور پر نظر انداز کر دیا اور سب باہم متفق ہو گئے۔

۱۰۔ غزوۂ تبوک:

تبوک مدینہ منورہ سے شمال کی جانب شام کی سرحد پر واقع ایک مقام کا نام ہے جو مدینے سے چودہ اور دمشق سے گیارہ مرحلے پر ہے۔ ان دنوں یہ علاقہ روم کی عیسائی حکومت کی حدود میں شامل تھا۔ شام سے مدینہ آنے والے تاجروں کے ذریعے مسلمانوں کو یہ خبر ملی تھی کہ ہرقل قیصر روم نے مدینے پر حملے کے لئے تبوک میں افواج جمع کر رکھی ہیں۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ فرمایا۔ ان دنوں موسم سخت گرم تھا۔ درختوں کا سایہ خوشگوار اور بھلا محسوس ہوتا تھا۔ کھجور کی فصل پک رہی تھی۔ زادِ راہ کی بھی قلّت تھی کیونکہ گذشتہ سال کی کھجور کی فصل سے ہونے والی آمدنی تقریباً ختم ہو چکی تھی اور نئی فصل ابھی پک رہی تھی، سواریوں کی بھی شدید کمی تھی۔ مزید برآں سفر بہت لمبا تھا اور مقابلہ بھی اس دور کی طاقتور ترین حکومت سے تھا۔ تبوک شام کے صحرا میں واقع تھا جہاں نہ درخت تھے نہ سایہ اور پانی تھا۔ ان حالات میں سفر نہایت دشوار اور صبر آزما تھا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوے پر روانہ ہوتے تو جنگی تدبیر کے تحت اصل منزل کا عام اعلان نہیں ہوتا تھا، لیکن غزوہ تبوک کے لئے آپ نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ تبوک کا ارادہ ہے اور مقابلہ رومیوں سے ہے تاکہ لوگ خوب سوچ سمجھ کر اس سفر اور جنگ کے لئے حتی الامکان بھرپور تیاری کر سکیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ اس سلسلے میں سورہ توبہ کی کچھ آیات بھی نازل ہوئیں۔ جنگی وسائل اور مصارف کی شدید کمی اور دیگر دشواریوں کی بنا پر غزوہ تبوک کو غزوہ العسرۃ، ساعۃ العسرۃ اور الفاضحہ (دشمنوں اور منافقین کو ذلیل کر دینے والا) بھی کہا جاتا ہے۔

اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت مناسکِ حج سے فراغت کے بعد مدینہ پہنچ چکے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر مسلمانوں نے صدقہ وخیرات میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسابقت کی اس فضا میں حضرت عمرؓ نے سوچا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہر کام میں مجھ سے سبقت لے جاتے ہیں گھر جا کر اپنے گھریلو سامان اور مال واسباب کو دو حصوں میں تقسیم کیا تاکہ ایک حصہ غزوہ تبوک کے مصارف کے لئے دیا جا سکے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مال لے کر حاضر ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے مال اور سامان سمیت پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے پوچھا کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ جواب میں صدیق اکبرؓ نے عرض کیا

کہ بس! اللہ اور اس کے رسول کے نام کی برکت چھوڑ آیا ہوں کیونکہ انہوں نے گھر میں کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ ان کے صدقے کی مالیت چار ہزار درہم کے قریب تھی اور سب سے پہلے وہی یہ صدقہ لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے آئندہ کے لئے نیکیوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آگے نکل جانے کا ارادہ ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا۔ اس جیش العُسرۃ (تنگی والے لشکر) کے لئے حضرت عثمان غنیؓ نے بے مثال مالی تعاون فرمایا۔ آپ نے ملک شام کے لئے دوسو اونٹوں کا ایک قافلہ تیار کر رکھا تھا اور دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انیس کلوگرام) چاندی تھی آپ نے کجاوے اور پالان سمیت یہ اونٹ اور دیگر سب کچھ صدقہ کر دیا اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت دیئے۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلوسونے کے سکے) لے کر آئے اور انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں بکھیر دیا۔ آپ ﷺ نہایت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعا فرمائی ''اے اللہ! تو عثمان سے راضی ہو جا، بے شک میں اس سے راضی ہوں'' آپ ﷺ نے ان دیناروں کو الٹتے پلٹتے ہوئے مزید فرمایا کہ آج کے بعد عثمانؓ جو بھی کریں انہیں نقصان نہ ہوگا (یعنی ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے)۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے پھر صدقہ کیا اس کے بعد پھر صدقہ کیا یہاں تک کہ نقد رقم کے علاوہ ان کے صدقات کی مقدار نو سو اونٹوں اور سو گھوڑوں تک جا پہنچی۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کو مُجھّز جیش العُسرۃ (تنگی والے لشکر کے لئے سامان مہیا کر کے اسے تیار کرنے والا) کہا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انیس کلوگرام) چاندی صدقہ کی۔ حضرت عباسؓ بھی بہت سا مال لے کر آئے۔ حضرت طلحہ، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم بھی بہت سا مال لے کر آئے۔ حضرت عاصمؓ بن عدی نے نوے وسق (تقریباً ساڑھے تیرہ ہزار کلو یعنی ساڑھے تیرہ ٹن) کھجوریں صدقہ میں دیں۔ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس نیک کام میں حتی المقدور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جو غریب تھے اور مٹھی بھر اناج یا کھجوریں ہی لا سکتے تھے وہ بھی پیچھے نہ رہے۔ حضرت ابوعقیل انصاریؓ تقریباً دو کلو کے قریب چھوہارے لے کر آئے اور عرض کیا کہ رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کر کے جو چھوہارے مزدوری میں ملے ان میں سے آدھے اہل وعیال کے لئے رکھے اور باقی لے کر آ گیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو پہلے سے جمع شدہ تمام قیمتی مال ومتاع کے اوپر بکھیر دو۔ منافقین ان نادار اور غریب اصحابِ رسول ﷺ کے صدقات کی کم مقدار کا مذاق اڑاتے تھے کہ ایک دو کھجوریں لا کر قیصر روم کی مملکت کو فتح کرنے جا رہے ہیں۔ یہ

ریاکار ہیں وغیرہ۔ جو مفلسی اور ناداری کی بنا پر کچھ بھی نہ خرچ کر سکے وہ اسی غم میں روتے رہے کہ ان کے پاس آج کچھ ہوتا تو وہ بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے آنسوؤں کو ہی قبول فرمالیا۔ انہیں بکّائین (رونے والے) کہا جاتا ہے، بقول ابن اسحٰق یہ سات حضرات تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ سالم بن عمیر، عُلبہ بن زید، ابولیلیٰ عبد الرحمٰن بن کعب، عمرو بن الحمام، عبد اللہ بن المغفل المزنی (بقول بعض عبد اللہ بن عمرو المزنی) ہرمی بن عبد اللہ، عرباض بن ساریہ الفزاری رضی اللہ عنہم اجمعین۔ خواتین نے بھی صدقات پیش کرنے میں جوش وخروش سے حصہ لیا۔ انہوں نے اپنے زیورات ہار، بازو بند، انگوٹھی وغیرہ تک جو کچھ ہو سکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

جہاد کی ترغیب پر مدینے کے مسلمانوں کے علاوہ اطراف وجوانب سے بھی مسلمان بڑی تعداد میں مدینہ پہنچے تقریباً تیس ہزار کے قریب لشکر تیار ہوگیا۔ اتنی بڑی فوج پہلے کسی غزوے میں فراہم نہیں ہوئی تھی۔ صحابہ کرامؓ میں سے بڑی تعداد نے شروع ہی سے جوش وخروش سے اس غزوے میں شمولیت کے لئے تیاری اور بھاگ دوڑ کی۔ کچھ ایسے بھی تھے جو موسم کی شدت اور قحط سالی میں پکتی فصل کو چھوڑ کر تبوک کے طویل سفر پر جانے سے پہلے پہل گھبرا رہے تھے لیکن انہوں نے بھی بالآخر کمر ہمت باندھی اور خوشی سے ساتھ ہو لئے۔ البتہ تین مسلمان ایسے بھی تھے جنہیں کوئی عذر لاحق نہ تھا اور باوجود استطاعت کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ سورۃ توبہ میں ان کی غفلت اور کاہلی پر انہیں سخت تنبیہ کی گئی بالآخر ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ اسلامی لشکر سے بلا عذر پیچھے رہ جانے والوں میں حضرت ابوخیثمہ مالکؓ بن قیس بھی تھے وہ ایک دن سخت گرمی میں اپنے گھر گئے۔ ان کی دو بیویاں تھیں دونوں نے اپنے شوہر کے لئے اپنے اپنے سائبانوں میں ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ کر رکھا تھا اور انہیں آراستہ کر کے اپنے خاوند کے لئے کھانا بھی تیار کر رکھا تھا۔ ابو خیثمہؓ کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دھوپ اور گرمی میں ہوں اور ابوخیثمہ کے لئے ٹھنڈا سایہ اور تیار کھانا ہو اور مال ومتاع سمیت خوبصورت عورت ہو، یہ انصاف کی بات نہیں۔ واللہ! میں تم میں سے کسی کے سائبان میں داخل نہیں ہوں گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ جا ملوں۔ چنانچہ اسی وقت چل پڑے، راستے میں عمیرؓ بن وہب الجمحی سے ملاقات ہوئی وہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طلب میں جا رہے تھے، دونوں جب تبوک کے قریب پہنچے تو ابوخیثمہؓ نے عمیرؓ بن وہب سے کہا کہ مجھ سے ایک سخت قصور سرزد ہوا ہے، جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاؤں میرا ساتھ نہ چھوڑنا۔ جب وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ یہ کوئی سوار آ رہا ہے

آپ ﷺ نے فرمایا ''ابوخیثمہ ہوگا'' تو لوگوں نے کہا ''یارسول اللہ! اللہ کی قسم! ابوخیثمہؓ ہی ہے''۔ ابوخیثمہؓ نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ابوخیثمہؓ! تیرا برا ہو (ساتھ دینے میں تاخیر کیوں کی؟) ابوخیثمہؓ نے پورا واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کے لئے روانہ ہوگئے تو جو شخص لشکر سے پیچھے رہ گیا ہوتا لوگ اس کے متعلق کہتے کہ فلاں پیچھے رہ گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ''اسے چھوڑو۔ اگر اس میں کوئی بھلائی ہوگی تو اللہ اسے تمہارے ساتھ شامل کردے گا۔ اگر اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو اللہ نے تمہیں اس سے راحت دلا دی''۔ اسی دوران آپ سے حضرت ابوذر غفاریؓ کے پیچھے رہ جانے کا تذکرہ ہوا وہ اپنی سواری کے اونٹ کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے تو آپ ﷺ نے ان کے متعلق بھی مذکورہ بات ہی ارشاد فرمائی۔ ادھر ابوذرؓ کا حال یہ تھا کہ انہوں نے اپنے سست رو اونٹ کو ملامت کی۔ سامان اپنی کمر پر اٹھایا اور چل پڑے۔ انہیں دور سے آتا دیکھ کر کسی نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! یہ کوئی شخص پیدل چلا آرہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ابوذر ہونا چاہئے'' جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو کہنے لگے ''یارسول اللہ! واللہ یہ ابوذر ہی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ ابوذرؓ پر رحم کرے یہ اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی فوت ہوگا اور (بروز قیامت) اکیلا ہی اٹھایا جائے گا''۔ بعد میں بالکل یہی ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں وہ مدینے سے قریب ایک مقام ربذہ میں منتقل ہوگئے تھے۔ وہیں فوت ہوئے۔ موت کے وقت اپنی اہلیہ اور غلام سے کہا کہ میری موت کے بعد تم دونوں مجھے غسل دو اور رات کے وقت کفن پہناؤ پھر مجھے راستے میں رکھ دو جو سوار پہلے پہل یہاں سے گزریں ان سے کہنا یہ ابوذر ہیں جو فوت ہوگئے ہیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا چند کوفیوں کے ہمراہ گزر ہوا جب انہیں بتایا گیا کہ یہ ابوذرؓ کا جنازہ ہے تو عبداللہؓ بن مسعود (بلا اختیار) اونچی آواز سے رو پڑے اور کہنے لگے اللہ کے رسول نے سچ ہی تو فرمایا تھا کہ ابوذر اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی فوت ہوگا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔

کچھ ایسے غریب اور نادار حضرات بھی تھے جن کے پاس غزوے میں شریک ہونے کے لئے سواری کے جانور نہیں تھے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے جانور فراہم کرنے کی درخواست کی لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس ایسے جانور موجود نہیں جن پر میں تمہیں سوار کرسکوں۔ ان حضرات کو اپنی بے بسی پر شدید صدمہ ہوا اور وہ اپنی ناداری پر روتے ہوئے واپس ہوئے ان میں سے بعض کو بعد میں سواریاں مل گئیں۔ کچھ حضرات ضعیف اور بیمار ہونے کی وجہ سے غزوے میں

شامل نہ ہوسکے۔ ایسے ہی سب لوگوں کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک سے مراجعت کے دوران مدینے کے قریب پہنچ کر فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جو وادی بھی طے کی وہ تمہارے ساتھ رہے، انہیں عذر نے روک رکھا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ! وہ ہمارے ساتھ تھے؟ آپ نے فرمایا (ہاں) مدینہ میں رہتے ہوئے بھی (وہ تمہارے ساتھ تھے)۔ اس سخت آزمائش میں منافقین کا نفاق طشت از بام ہورہا تھا۔ ان کی بڑی اکثریت نے ساتھ نہیں دیا۔ یہ لوگ طرح طرح کے بہانے بنا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرتے رہے کہ انہیں اس جنگ میں شریک ہونے سے مستثنیٰ رکھا جائے یہ منافقین دوسروں کو بھی یہ کہہ کر روکتے تھے کہ اس شدید گرمی میں سفر نہ کرو سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اگر وہ سمجھ سے کام لیں تو جہنم کی آگ تو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ ایک منافق جد بن قیس نے کہا کہ رومی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں مجھے خدشہ ہے کہ ان کی وجہ سے کسی فتنے میں نہ پڑ جاؤں اس لئے میں جہاد پر جانے سے معذور ہوں۔ سورہ توبہ میں ایسے لوگوں کے متعلق کہا گیا کہ یہ لوگ تو (کفر ونفاق) کے فتنے میں پہلے ہی سے گرے پڑے ہیں۔

منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں کو اطمینان دلا رکھا تھا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی مدینہ واپس نہیں آسکیں گے قیصر روم ان سب کو قید کر کے مختلف علاقوں میں بھیج دے گا۔ سویلم ایک یہودی تھا جس کا مکان جاسوم (جسے بئر جاسم بھی کہا جاتا تھا) کے علاقے میں تھا یہ شام کی جانب حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان کا کنواں تھا۔ سویلم کے گھر میں منافقین اکٹھے ہوکر غزوہ تبوک میں شمولیت سے لوگوں کو روکنے کی شیطانی تدبیریں اور سازشیں کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو چند ساتھیوں کے ہمراہ بھیج کر اس گھر کو آگ لگوادی جس سے یہ منافقین ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔ تاہم کچھ منافقین ایسے بھی تھے جو اپنے نفاق کو چھپاتے ہوئے تماش بینی، شرارت، جاسوسی اور اپنے دیگر مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے ساتھ چل پڑے، لیکن ان کا نفاق بالآخر مخفی نہ رہا۔ مثلاً دوران سفر لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گم شدہ اونٹنی کی تلاش میں نکلے تو آپ ﷺ نے حضرت عمارہؓ بن حزم انصاری سے فرمایا "ایک (منافق) آدمی نے کہا ہے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ آپ نبی ہیں اور وہ تمہیں آسمان کی خبریں دیتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ اور اللہ کی قسم! میں تو وہی کچھ جانتا ہوں جو اللہ مجھے بتائے اور بے شک اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ اونٹنی فلاں وادی میں ہے اور اس کی نکیل ایک درخت میں پھنسی ہوئی ہے"۔ صحابہ کرامؓ گئے

اور اس اونٹنی کو لے آئے۔ حضرت عمارہؓ اپنی قیام گاہ پر آئے اور لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے آگاہ کیا تو انہیں پتا چلا کہ یہ منافق زید بن لصیت ہے جو وہیں حضرت عمارہؓ کی قیام گاہ یا کجاوے میں تھا۔ حضرت عمارہؓ نے اس کی گردن پر ضرب لگاتے ہوئے کہا کہ میرے کجاوے میں میرا یہ ہم سفر منافق ہے اور مجھے اس کا علم ہی نہیں۔ اے اللہ کے دشمن! یہاں سے نکل جا اور میرے ساتھ نہ رہ۔ کہا جاتا ہے کہ زید بن لصیت نے بعد میں توبہ کر لی تھی اور بعض کا خیال ہے کہ وہ مرتے دم تک منافق ہی رہا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تبوک کے لئے ۲۵ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۵ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری بمطابق ۱۴ اپریل ۶۳۱ عیسوی جیولین بروز جمعرات مدینہ سے روانہ ہوئے۔ باختلافِ روایات حضرت محمدؓ بن مسلمہ یا حضرت سباعؓ بن عرفطہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ دیگر غزوات کے برعکس اس غزوے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی کو بھی ساتھ نہیں لیا۔ آپ ﷺ نے اپنے اہل وعیال کی حفاظت ونگرانی پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی کہ لوگ تو جہاد پر جارہے ہیں اور تمہیں عورتوں اور بچوں میں چھوڑ دیا ہے۔ اس پر حضرت علیؓ بھی گھر سے نکلے۔ مدینہ سے شمال کی جانب تقریباً تین میل پر واقع مقام جُرُف پر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے لیکن آپ ﷺ نے انہیں یہ کہہ کر واپس مدینے بھیج دیا ''کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ مجھ سے تمہیں وہی نسبت ہو جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔ لشکر کی روانگی، کی پہلی منزل ثنیۃ الوداع تھی۔ بقول ابن سعد ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکر پر اپنا نائب مقرر فرمایا تھا اور وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے''۔ (۴۸)

دوران سفر جب آپ حجر یعنی دیار ثمود سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ان ظالموں کی سکونت سے (اللہ کے ڈر سے) روتے ہوئے گزرنا چاہئے کہ کہیں تم پر بھی وہ مصیبت نہ آپڑے جو ان پر آئی تھی'' پھر آپ ﷺ نے اپنا سر ڈھانپا اور اس علاقے سے تیزی سے گزر گئے۔ ثمود وہ قوم تھی جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔ اس قوم نے وادی القریٰ کے اندر چٹانوں اور پتھروں کو تراش تراش کر مکانات بنائے تھے۔ اس قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ بعض صحابہ کرامؓ نے وہاں کے کنوؤیں سے پانی لے لیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہاں کا پانی تم نہ پیؤ۔ اور نہ ہی اس سے نماز کے لئے وضو کرو اور جو آٹا اس پانی سے گوندھا گیا ہے اسے اپنے جانوروں کو کھلا دو، خود نہ کھاؤ''۔ جن لوگوں نے

وہاں ـ کنوؤں سے پانی لیا تھا آپ ﷺ کی اس ہدایت پر سب نے وہ پانی انڈیل دیا اور اس پانی سے پکے ہوئے گوشت کی ہانڈیاں بھی انڈیل دیں۔ آپ ﷺ نے صرف اس کنویں سے پانی پینے کی ہدایت فرمائی جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

اگرچہ صحابہ کرامؓ نے اس جیش العسرۃ کے لئے صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اس کے باوجود اتنے بڑے لشکر کے لئے وسائل پوری طرح مہیا نہ ہو سکے تھے۔ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کو ایک اونٹ پر باری باری سوار ہونا پڑتا تھا۔ خوراک کی بھی شدید قلت تھی۔ کھانے کے لئے بسا اوقات درختوں کے پتے کھانے پڑے جس سے ہونٹوں پر ورم آ گیا۔ پانی کی بھی شدید کمی تھی۔ بھوک اور پیاس کی شدت میں شدید مجبوری کی بنا پر کچھ اونٹوں کو ذبح کرنا پڑتا تھا حالانکہ سواری کے اونٹوں کی پہلے ہی بہت کمی تھی۔ ان اونٹوں کے معدے اور آنتوں میں جمع شدہ پانی اور تری سے پیاس بجھائی جاتی تھی۔ ایک ایسے ہی موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی درخواست پر آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ آپ نے دعا کی خاطر آسمان کی جانب ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ ایک بدلی نمودار ہوئی جس سے خوب بارش ہوئی اور لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے تو بادل کا ٹکڑا بھی اچانک غائب ہو گیا اور لشکر کے اوپر سے گزرتا دکھائی نہ دیا۔

لشکر میں خوراک کی بھی شدید قلت تھی ایک موقع پر لوگوں نے بھوک سے لاچار ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اونٹ ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! اگر ایسا ہوا تو لشکر میں سواریوں کی تو پہلے ہی قلت ہے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے لوگوں کے لئے دعائے برکت فرمائیں'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا ایک دسترخوان منگوا کر بچھایا پھر لوگوں سے کہا کہ ان کے پاس جس قدر باقی ماندہ خوراک ہے وہ یہاں جمع کر دیں تو کوئی مٹھی بھر اناج لایا، کوئی مٹھی بھر کھجوریں لے آیا، اور کوئی روٹی وغیرہ کے ٹکڑے ہی لے آیا۔ آپ ﷺ نے دعائے برکت فرمائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے برتن بھر لو۔ تمام لشکر نے اپنے اپنے برتن بھر لئے اور خوب شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانا پھر بھی بچ رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ کوئی بندہ ایسا نہیں جو شک رکھے بغیر یہ گواہی دیتا ہوا اللہ سے ملے پھر وہ جنت سے روک دیا جائے''۔

تبوک کے قریب پہنچنے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کل انشاء اللہ چاشت کے وقت تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے مگر وہاں اس کے پانی کو میرے آنے سے پہلے کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے۔ بروایت حضرت معاذؓ بن جبل وہاں دو آدمی پہلے پہنچ گئے۔ چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا۔ آپ ﷺ

کے دریافت فرمانے پر ان دونوں آدمیوں نے اعتراف کیا کہ انہوں نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ان دونوں سے، جو کچھ اللہ نے چاہا، فرمایا۔ پھر چشمے سے چلّو کے ذریعہ تھوڑا تھوڑا پانی نکالا۔ جب کچھ پانی جمع ہوگیا تو آپ ﷺ نے اس سے اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوکر اس چشمے میں انڈیل دیا جس سے چشمہ پانی سے ابل پڑا۔ صحابہ کرامؓ نے خوب سیر ہوکر یہ پانی پیا۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس جگہ کو باغات سے سرسبز دیکھو گے۔

باختلاف روایات راستے میں یا تبوک پہنچ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج رات تم پر سخت آندھی آنے والی ہے۔ ہر شخص اپنی جگہ پر رہے وہاں سے نہ اٹھے اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اسے مضبوط رسی سے باندھے رکھے۔ اس سخت آندھی میں ایک شخص کھڑا ہوگیا جسے آندھی نے اٹھا کر طی کی دو پہاڑیوں کے قریب پھینک دیا۔

کوئی دو ہفتوں کے سفر کے بعد جب اسلامی لشکر تبوک میں خیمہ زن ہوا تو وہاں آپ ﷺ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور نہایت قیمتی نصائح سے اپنے اصحاب کو نوازا۔ دین و دنیا کی بھلائی کی جانب انہیں راغب کیا اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اس کے انعامات کی بشارت سنائی۔ اس سے لوگوں کے حوصلے مزید بلند ہوگئے۔ تبوک پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہاں قیصر روم کے اجتماع کی خبر مبالغہ آمیز تھی اس علاقے میں اطراف و جوانب میں جمع رومی افواج مختلف علاقوں میں ادھر ادھر بکھر گئیں۔ قیصر روم دل سے آپ ﷺ کو سچا نبی سمجھتا تھا مقابلے پر آنے کی ہمت ہی نہ کر سکا۔ اردگرد کے حکام بھی مرعوب ہوگئے چنانچہ ایلہ کے عیسائی حاکم یوحنا بن روبہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر جزیہ دینا منظور کیا اور صلح کا معاہدہ کیا۔ جرباء اور اَذْرُح کے لوگوں نے بھی جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ ﷺ نے حاکم ایلہ کے لئے امن کی تحریر لکھوادی "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کشتی اور سمندر میں ان کی کشتیوں اور قافلوں کے لئے اللہ کا ذمہ ہے اور محمد نبی کا ذمہ ہے اور یہی ذمہ ان شامی اور سمندری باشندوں کے لئے بھی ہے جو یوحنا کے ساتھ ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے گڑبڑ کی تو اس کا مال اس کی جان کو نہیں بچا سکے گا اور ایسے لوگوں سے جو شخص ان کا مال لے لیگا وہ اس کے لئے حلال ہوگا۔ انہیں کسی چشمے پر اترنے اور خشکی یا سمندر کے کسی راستے پر چلنے سے روکا نہیں جائے گا"۔

انہی ایام میں آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر امارت چار سو بیس سواروں پر مشتمل ایک سریہ دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے

معجزانہ پیشگوئی کے طور پر حضرت خالدؓ کو مطلع فرمایا کہ تم اسے نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید اکیدر کے قلعے کے قریب پہنچ گئے تو اچانک ایک نیل گائے نے قلعے کے دروازے پر سینگ رگڑنا شروع کر دیئے یہ شعبان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق محرم ۱۰ ہجری بمطابق اواخر اپریل ۶۳۱ عیسوی جیولین کی ایک چاندنی رات تھی۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے اکیدر قلعے کی چھت پر تھا وہ نیل گائے کے شکار کے لئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ باہر نکلا تو خود حضرت خالدؓ کے سواروں کا شکار ہو گیا۔ اسے گرفتار کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دینے اور جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ ان حالات میں گرد و نواح کے عرب قبائل بھی مرعوب ہو گئے جو رومی حکومت کے ماتحت تھے۔ یہ قبائل اب مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ یوں اب مدینے کی اسلامی ریاست کی سرحدیں رومی علاقوں تک پہنچ گئیں۔ خلفا راشدین کے دور میں رومی حکومت کے علاقوں پر مسلمانوں کے بتدریج قبضے کے لئے غزوہ تبوک پیش خیمہ ثابت ہوا۔

تبوک کے ایام میں حضرت ذوالبجادینؓ کا انتقال ہوا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا نام عبدالعزیٰ تھا چونکہ یتیم تھے اس لئے پرورش چچا نے کی۔ اسلام کے متعلق کچھ سنا تو اس سچے دین کی محبت ان کے دل میں پیوست ہو گئی مگر چچا کی وجہ سے اسلام نہ قبول کر سکے۔ غزوہ فتح مکہ کے بعد عبدالعزی نے بالآخر اسلام قبول کر ہی لیا تو چچا نے ناراض ہو کر ان سے سب کچھ حتیٰ کہ جسم کے کپڑے تک چھین لئے وہ مادرزاد برہنہ تھے کہ اسی حالت میں ماں کے پاس پہنچ گئے جو اپنے بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئی۔ بیٹے کی درخواست پر ماں نے ستر پوشی کے لئے ایک کمبل دیا جسے انہوں نے پھاڑ کر آدھے کا تہبند بنا لیا اور باقی آدھا جسم پر اوڑھ لیا۔ اسی حالت میں مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد نبوی میں بیٹھ رہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں تشریف لائے تو آپ ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا آپ نے ان کا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین رکھا اور فرمایا کہ تم ہمارے قریب ہی ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو۔ حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ اس طرح اصحاب صفہ میں شامل ہو گئے اور قرآن سیکھا۔ وہ نہایت ذوق وشوق سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ کو شکایت ہوئی کہ ان کی بلند آواز لوگوں کی نماز میں خلل انداز ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ''عمر! اسے کچھ نہ کہو یہ تو اللہ اور رسول کے لئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں آ پہنچا ہے''۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کی راہ میں مرتبہ شہادت پانے کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے

فرمایا، جاؤ۔ کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ۔ آپ ﷺ نے چھلکا ان کے بازو پر باندھا اور یوں دعا فرمائی'' اے اللہ! میں اس کا خون کفار پر حرام کرتا ہوں''۔ حضرت ذوالبجادینؓ نے عرض کیا کہ میں تو شہادت کا متمنی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم غزوے کے ارادے سے نکلو اور پھر بخار میں مبتلا ہو کر فوت ہو جاؤ تو بھی تم شہید شمار ہو گے''۔ تبوک پہنچ کر یہی ہوا کہ وہ بخار میں مبتلا ہو کر رحلت فرما گئے۔ رات کا وقت تھا حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ انہیں قبر میں اتار رہے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان کی قبر میں اترے اور ابو بکرؓ و عمرؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے ادب و احترام کا خیال رکھو۔ قبر پر اینٹیں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے چنیں اور پھر دعا فرمائی'' اے اللہ! آج کی شام (رات) تک میں اس سے راضی رہا ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں یہ سوچ رہا تھا کہ کاش! اس قبر میں مجھے دفن کیا جاتا: تبوک کے ایام میں ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے ساتھ فجر کی نماز کے وضو کے لیے تشریف لے گئے، واپسی میں تاخیر پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی زیر امامت نماز شروع کر دی گئی۔ آپ ﷺ نے بھی ان کے پیچھے ایک رکعت نماز پڑھی اور دوسری رکعت بعد میں مکمل فرمائی، لوگوں نے خیال کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا یوں نماز پڑھانا آپ ﷺ کو ناگوار نہ گزرا ہو لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا اور ٹھیک کیا''۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں کوئی بیس روز قیام فرمایا۔ پھر مدینہ واپسی کا سفر شروع ہوا۔ راستے میں آپ ﷺ کا ایک گھاٹی سے گذر ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت حذیفہؓ بن یمان تھے دیگر اصحاب پیچھے تھے۔ حضرت عمارؓ آپ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے تھے جبکہ حضرت حذیفہؓ اسے ہانک رہے تھے کہ اچانک بارہ منافقین اپنے چہروں کو ڈھانپ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے مذموم ارادے سے گھاٹی میں آگے بڑھے اور ان کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت حذیفہؓ نے ان کے چہروں پر اپنی ایک ڈھال سے ضرب لگانی شروع کی تو یہ لوگ تیزی سے پچھلی سمت میں بھاگ کر لوگوں میں جا ملے۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کے ناموں اور ان کے مذموم ارادے سے مطلع فرمایا لیکن انہیں قتل کرنے سے منع فرمایا کہ یہ لوگ خود ہی اپنے بھیانک انجام کو پہنچ جائیں گے۔ اسی لئے حضرت حذیفہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب السرّ (راز دان) کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں کسی مشکوک شخص کا جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جب تک کہ حضرت حذیفہؓ سے پوچھ کر

یہ اطمینان نہیں فرمالیتے تھے کہ مرنے والا منافق نہیں ہے۔

دورانِ سفر جب آپ ﷺ مدینے سے قریب ذی اوان کے مقام پر پہنچے تو آپ کو منافقین کی تعمیر کردہ مسجد پر بذریعہ وحی اطلاع ہوئی۔ قرآن کریم میں اس مسجد کو مسجد ضرار کا نام دیا گیا جو منافقوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے، ان کی جاسوسی کرنے اور انہیں دھوکہ دینے کے لئے تعمیر کی تھی۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ابو عامر راہب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا نام عبد عمرو بن صیفی تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ اوس کے سرداروں میں تھا۔ یہ شخص راہب بن گیا تھا۔ اس نے حاضرِ خدمت ہوکر اسلام پر اعتراضات کئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو پر یہ بدبخت مطمئن نہ ہوا تو بولا کہ ہم دونوں میں سے جو شخص جھوٹا ہو وہ مردود ہو، اور احباب واقارب سے دور ہوکر مسافری میں مرے۔ غزوہ حنین تک تمام غزوات میں یہ اسلام دشمنوں کے ساتھ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فاسق کا لقب دے رکھا تھا۔ غزوہ حنین واوطاس کے بعد جب ہوازن کا طاقتور قبیلہ بھی مغلوب ہوگیا تو یہ مایوس ہوکر شام چلا گیا اور بالآخر وہ وہیں بے یار و مددگار مرا۔ اس نے وہاں سے مدینے کے منافقین سے رابطہ کیا اور اسی کے مشورے پر مذموم مقاصد کے تحت چند منافقین نے مسجد قباء کے توڑ میں اسی علاقے میں ایک مسجد تعمیر کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ایک آدھ نماز اس مسجد میں پڑھا دیں تو برکت ہوگی اور مسلمانوں کو اس کی طرف رغبت ہوگی۔ ہم نے یہ مسجد خاص طور پر ان کمزوروں، بوڑھوں اور بیمار لوگوں کے لئے بنائی ہے جن کے لئے مسجد قباء تک پہنچنا مشکل ہے اور ویسے بھی علاقے کی وسیع آبادی کے لئے مسجد قبا کافی نہیں ہے۔ آپ ﷺ اس وقت تبوک جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ آپ نے وعدہ فرمالیا کہ تبوک سے واپسی پر ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے۔ تبوک سے واپسی کے دوران ذی اوان کے مقام پر بذریعہ وحی اصل حقیقت منکشف ہونے پر آپ نے ایک بدری صحابی حضرت مالکؓ بن دخشم اور ان کے ہمراہ حضرت معنؓ بن عدی یا ان کے بھائی عاصمؓ بن عدی پر مشتمل سریہ اس مسجد ضرار کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ تفسیر قرطبی وتفسیر مظہری میں مذکور روایات کے مطابق آپ ﷺ نے اس کام کے لئے چند اصحاب کو بھیجا تھا جن میں عامرؓ بن سکن اور وحشی قاتل حمزہؓ وغیرہ بھی شریک تھے، الغرض یہ مسجد گرادی گئی۔ آپ ﷺ نے عاصمؓ بن عدی کو اجازت دی کہ وہ اس جگہ اپنا مکان بنالیں۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! جس جگہ کے متعلق قرآنی آیات نازل ہوچکی ہیں، میں ایسی منحوس جگہ پر گھر بنانا پسند نہیں کرتا البتہ ثابتؓ بن اقرم ضرورت مند ہیں

ان کا کوئی مکان نہیں''۔اس پر آپ ﷺ نے یہ جگہ ثابتؓ بن اقرم کو دے دی مگر جب وہ اس مکان میں مقیم ہوئے تو ان کے کوئی بچہ نہ ہوا یا زندہ نہ رہا۔ بلکہ انسان تو کیا اس جگہ تو کوئی مرغی بھی انڈے اور بچے دینے کے قابل نہ رہی کوئی کبوتر یا جانور بھی اس جگہ پر نشو ونما نہ پا سکا۔ مسجد قبا سے کچھ فاصلے پر یہ جگہ آج بھی ویران پڑی ہے۔

سفر سے واپسی پر جب مدینہ کے بالکل قریب پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ رہا طابہ اور یہ رہا احد، احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں''۔ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری پر عورتوں، بچوں اور بچیوں نے باہر نکل کر اسلامی لشکر کا پر تپاک اور شاندار استقبال کیا وہ یہ گیت گا رہے تھے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع　　　وجب الشکر علینا مادعا للّٰہ داع

ہم پر ثنیہ الوداع سے چودھویں رات کا پورا چاند طلوع ہوا۔ جب تک کوئی پکارنے والا اللہ کو پکارتا رہے ہم پر شکر واجب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پچاس روز کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ آمد و رفت کے سفر میں ایک ماہ لگا اور بیس دن تک تبوک میں قیام رہا۔ یوں آپ کی مراجعت باسعادت رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق صفر ۱۰ ہجری قمری بمطابق مئی ۶۳۱ عیسوی جیولین میں ہوئی۔

مدینہ پہنچنے پر آپ ﷺ نے حسب معمول سب سے پہلے مسجد نبوی میں نماز پڑھی اور لوگوں کی خاطر کچھ دیر کے لئے وہیں بیٹھ گئے سورہ توبہ میں منافقین کے متعلق جو پیش گوئی کی گئی تھی اس کے عین مطابق غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے ان منافقین نے حاضر خدمت ہو کر طرح طرح کے جھوٹے عذر پیش کئے اور جھوٹی قسمیں کھائیں۔ آپ ﷺ نے ان سے گلوخلاصی کے لئے ان سے اعراض فرمایا اور جھوٹے عذر قبول کر کے ان کا باطن اللہ کے حوالے کر دیا۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے اس غزوے میں تین مخلص مسلمان بھی شریک نہیں ہوئے تھے حالانکہ انہیں کوئی عذر لاحق نہ تھا۔ یہ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم تھے۔ انہوں نے جھوٹ بولنے کی بجائے اپنے قصور کا صاف اعتراف کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ ان تینوں کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا جائے اور ان سے گفتگو تک نہ کی جائے۔ چالیس روز کے بعد حکم ہوا کہ یہ تینوں اپنی بیویوں سے بھی الگ رہیں۔ ان تینوں حضرات کا یہ احساس پختہ سے پختہ تر

ہوتا چلا گیا کہ اللہ کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں ہے۔ زمین ان پر تنگ ہوگئی، زندگی بے مزہ ہوگئی۔ پچاس دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کے قبول ہونے کی وحی سورۃ توبہ میں نازل فرمائی۔ اس پر یہ تینوں حضرات خصوصاً، دیگر صحابہ کرامؓ عموماً اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہایت خوش ہوئے۔ لوگوں نے دوڑ دوڑ کر انہیں قبولیتِ توبہ کی بشارت سنائی۔ انعامات اور صدقات تقسیم ہوئے۔ حضرت کعبؓ نے اپنا واقعہ خود بیان کیا ہے۔ انہوں نے بعض لوگوں کے مشورے کے باوجود جھوٹ نہیں بولا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ شکایت آمیز تھی۔ جب تینوں کا مقاطعہ شروع ہوا تو دنیا ان کے لئے اندھیر ہوگئی۔ ہلال اور مرارہ بوڑھے تھے وہ تو گھر سے بھی باہر نہ نکلے۔ حضرت کعبؓ نماز کے لئے مسجد نبوی میں جاتے اور بعد میں ایک گوشے میں بیٹھ جاتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں محبت بھری نظروں سے دیکھتے لیکن حضرت کعبؓ آپ ﷺ کو دیکھنے لگتے تو آپ اعراض فرماتے۔ ایک دن کعبؓ اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہؓ کے باغ میں گئے تو انہوں نے کعبؓ کے سلام کا حسب معمول جواب تک نہ دیا حالانکہ دونوں میں بڑی محبت ہوا کرتی تھی۔ کعبؓ نے ابوقتادہؓ سے اپنے مخلص مسلمان ہونے اور نفاق سے بری ہونے کا تین بار ذکر کیا تو ابوقتادہؓ نے صرف اتنا کہا کہ اللہ اور رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ اس پر کعبؓ بہت روئے، شہر پہنچے تو شاہ غسّان کا بھیجا ہوا عیسائی قاصد انہیں ملا اور خط دیا، جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا آقا تم پر ناراض ہے۔ تمہارے آقا نے تمہاری قدر نہیں کی۔ ہمیں تمہارے مقام ومرتبہ کا بخوبی علم ہے ہمارے پاس چلے آؤ تو تمہیں انتہائی اعزاز واکرام حاصل ہوگا۔ حضرت کعبؓ نے قاصد کے سامنے ہی اس خط کو فوراً نذر آتش کردیا اور شاہ غسان کی پیشکش کو حقارت سے ٹھکرادیا کہ حضرت کعبؓ کے لئے یہ ایک نئی آزمائش تھی۔ وہاں سے کعبؓ گھر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کا پیغام ملا کہ اپنی بیوی سے بھی الگ رہو۔ اس پر انہوں نے بیوی کو میکے بھیج دیا۔ یہی حکم ہلالؓ اور مرارہؓ کو بھی ملا تھا۔ ہلال کی بیوی نے حضرت ہلالؓ کے بڑھاپے اور کمزوری کی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی خدمت کی اجازت حاصل کرلی، تاہم آپ ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ اس کے بستر سے دور رہو۔ خاتون نے عرض کیا کہ ہلال کو جس طرح کا شدید رنج وغم لاحق ہے اس کی وجہ سے انہیں کسی اور چیز کا دھیان ہی نہیں رہا ہے۔ حضرت کعبؓ جوان تھے۔ اس لئے بعض لوگوں کے اشارے کے باوجود بیوی سے خدمت لینے کی اس طرح کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے کی ہمت ہی نہ کی۔ سخت مصیبت کے پچاس دن گزر گئے۔

زمین تنگ اور زندگی بے کیف ہوگئی ایک رات اپنے مکان کی چھت پر حضرت کعبؓ سخت پریشان حالی میں لیٹے ہوئے تھے کہ ان کے گھر کے قریب واقع کوہ سلع پر چڑھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آواز دی ''کعب کو مبارک ہو کہ اس کی توبہ قبول ہوگئی'' اب احباب واقارب نے بھی مبارک باد دینے کے لئے دوڑ لگا دی۔ حضرت کعبؓ شکرانے کے سجدے میں گر گئے اور پھر دوڑتے ہوئے دربار نبویؐ میں حاضری دی وہاں مہاجرین نے مبارک باد دی جبکہ انصار خاموش رہے۔ حضرت کعبؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر فرط مسرت سے نہایت چمک دمک تھی۔ آپ نے کعبؓ کو اس بہترین دن پر مبارک باد دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی ہے۔ حضرت کعبؓ نے اس خوشی کے موقع پر اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن آپ ﷺ نے سارا مال اور اسکے بعد آدھا مال بھی صدقہ کرنے کی اجازت نہ دی پھر حضرت کعبؓ کی درخواست پر تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں! ایک تہائی خوب ہے اور تہائی (صدقہ) بھی بہت ہے''۔

غزوہ تبوک سے پہلے حج ابی بکر صدیق کے موقع پر مشرکین سے اعلانِ برأت ہو چکا تھا۔ غزوہ تبوک سے اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس آیا تو ان بچے کھچے مشرکین کے حوصلے اور بھی پست ہوگئے جس کا نمایاں اثر یہ ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے لئے اگرچہ عرب قبائل کے وفود کی مدینے میں آمد سال ۹ ہجری (قمریہ شمسی) کے اوائل ہی سے شروع ہو چکی تھی لیکن غزوہ تبوک کے بعد ان وفود کی لگاتار آمد شروع ہوگئی اور اگلے سال حجۃ الوداع میں کسی مشرک کو حج میں شامل ہونے بلکہ حدود حرم کے اندر کھلم کھلا داخل ہونے کی جرأت تک نہ ہوئی۔ منافقین پر تو اس آخری غزوے کے نہایت ہی مہلک اور تباہ کن اثرات مرتب ہوئے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھوڑے ہی عرصے کے بعد موت سے ہم کنار ہوا۔ منافقین کی اکثریت کا نفاق کھل گیا۔ ان پر سختی کرنے کا حکم نازل ہوا۔ یہ حکم بھی ہوا کہ آئندہ کے لئے ان کے نام نہاد صدقات قبول نہ کئے جائیں ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ان منافقین کی قسمت کا فیصلہ کردیا گیا کہ انہیں دنیا میں بھی کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ملے گا (۴۹) اور جو منافق مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے یا نقصان پہنچانے کے اہل نہیں رہے تھے سوائے اس کے کہ اپنے نفاق کو مخفی رکھیں، وہ بھی یوں ذلیل وخوار ہوئے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ انہیں پہچان لیتے تھے اسی لئے حضرت حذیفہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدان کہا جاتا تھا۔ یوں منافقین کا مخلص صحابہ کرامؓ سے مکمل امتیاز ہوگیا اور تا قیامت کسی

کے لئے گنجائش نہ رہی کہ عام صحابہ کرامؓ کے متعلق عموماً اور اکابر صحابہ کرامؓ مثلاً خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ کے متعلق خصوصاً کسی بھی طرح کے لغو شبہات کو اپنے دل میں جگہ دے۔ منافقین کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے سچے دل سے توبہ کرلی جیسا کہ سورہ توبہ کے مضامین سے بخوبی واضح ہے (۵۰) تاہم یہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آخری غزوے میں پرخلوص شرکت سے محروم رہے اور آئندہ کے لئے انہیں ایسا کوئی قیمتی موقع حاصل ہی نہ ہوا۔ سورہ توبہ کی بہت سی آیات کا اسی غزوہ تبوک سے تعلق ہے۔

۱۱۔ سریہ خالدؓ بن ولید بجانب اکیدر نصرانی:

یہ سریہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں قیام کے دوران ارسال فرمایا تھا جس کا حال غزوہ تبوک کے واقعات میں مذکور ہو چکا ہے یہ سریہ شعبان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق محرم ۱۰ ہجری قمری بمطابق اواخر اپریل ۶۳۱ عیسوی میں ہوا۔ یہ چاندنی راتیں تھیں۔

۱۲۔ سریہ انہدام مسجد ضرار:

جیسا کہ غزوہ تبوک کے واقعات میں مذکور ہو چکا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران مدینہ منورہ سے قریب ایک مقام ذی اوان پہنچے تو بدری صحابی مالکؓ بن اخشم اور معنؓ بن عدی یا ان کے بھائی عاصمؓ بن عدی کو آپ ﷺ نے مسجد قباء کے قریب منافقین کی تعمیر کردہ مسجد ضرار کے مسمار کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ سریہ رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق صفر ۱۰ ہجری قمری بمطابق مئی ۶۳۱ عیسوی جیولین کا ہے۔

۱۳۔ وفات رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی:

غزوہ تبوک سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی شوال ۹ ہجری قمریہ شمسی میں مرض الموت میں مبتلا ہوا اور ذی قعدہ ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمری بمطابق جولائی ۶۳۱ عیسوی جیولین میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا عبداللہ مخلص مسلمان تھا۔ جب عبد اللہ بن ابی کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے باہر نکالا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے گھٹنوں پر رکھا، اس پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اسے اپنا قمیص پہنایا، کیونکہ غزوہ بدر کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب کفار کی طرف سے لڑ رہے تھے اور جنگی قیدی بنا لئے گئے

تھے۔ان کا قد لمبا ہونے کی وجہ سے عبداللہ بن ابی نے انہیں اپنا قمیص دیا تھا۔

عبداللہ بن ابی کی تدفین کے موقع پر حضرت عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کو منافقین کے استغفار سے منع کر رکھا ہے اس لئے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ تو ان کے لئے استغفار کرے یا نہ کرے، ان کے حق میں برابر ہے اور اگر تو ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے تو اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ ان کے لئے استغفار کروں یا نہ کروں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرلوں۔ بعد میں سورہ توبہ میں حضرت عمرؓ کی موافقت اور تائید میں آیت نازل ہوئی کہ آپ آئندہ کبھی بھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

۱۴۔ سریہ ابوسفیانؓ بن حرب و مغیرہؓ بن شعبہ (مہم انہدام لات):

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو طائف کے بنوثقیف کے وفد نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا اور ان کی یہ درخواست بھی آپ ﷺ نے منظور کرلی کہ وہ اپنے بت کو خود اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے۔ چنانچہ بقول ابن اسحٰق ان کے بت لات کو مسمار کرنے کے لئے آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا۔ موسیٰ بن عتبہ کی روایت کے مطابق بت کو توڑنے کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر امارت چند لوگوں کو بھیجا گیا تھا جن میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بھی تھے۔ بت شکنی کے اس سنسنی خیز موقع پر طائف کی خواتین ننگے سر روتی پیٹتی باہر نکل آئیں وہ اپنے بت لات کو تباہ کئے جانے کے صدمے سے دو چار اشعار پڑھ رہی تھیں۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے بت کو توڑنے کے لئے جب گرز اٹھایا تو اپنے ساتھیوں سے کہا ''واللہ! میں تمہیں ثقیف پر ہنساؤں گا''۔ بت پر گرز مار کر خود ہی گر پڑے۔ بنوثقیف خوفزدہ ہوکر کہنے لگے کہ ہماری دیوی لات نے مغیرہ کو مار ڈالا۔ اس پر حضرت مغیرہؓ فوراً کھڑے ہوگئے اور فرمایا ''اللہ تمہارا برا کرے یہ تو پتھر اور مٹی کا تماشا ہے اور کچھ نہیں'' اس کے بعد انہوں نے دروازے پر ضرب لگائی وراسے توڑ ڈالا پھر اپنے چند ساتھیوں سمیت سب سے اونچی دیوار پر چڑھ کر اسے مسمار کر کے زمین کے برابر کردیا۔ بنوثقیف یہ سب کچھ دیکھ کر حیران و پریشان ہوتے رہے۔ بالآخر انہیں یقین ہوگیا

کہ ان کی دیوی لات ان کے نفع اور نقصان کی مالک نہیں ہے اور سب نے اسلام قبول کرلیا۔ حضرت مغیرہؓ اور دیگر ساتھیوں نے بت کی بنیادیں اکھاڑ کر رکھ دیں اور وہاں سے زیور اور لباس وغیرہ جو سامان بھی ملا سب نکال لیا۔ یہ سب اشیاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئیں آپ نے انہیں اسی روز لوگوں میں تقسیم فرمادیا۔ اور نبی کی مدد اور دین اسلام کے غلبے پر اللہ تعالیٰ کی مدح وثناء کی۔ یہ سریہ شوال/ ذی قعدہ ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الاول/ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمری بمطابق جون، جولائی ۶۳۱ عیسوی جیولین کا ہے۔

توقیتی مباحث ۹ ہجری قمریہ شمسی، ۹۔۱۰ ہجری قمری، ۶۳۰۔۶۳۱ عیسوی جیولین

تقابلی تقویمی جدول سال ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۹۔۱۰ ہجری قمری بمطابق ۶۳۰۔۶۳۱ عیسوی جیولین بمطابق عبرانی سال ۴۳۹۱ خلیقہ (غیر مکبوس) ۲۳۲ دین ۱۹ سالہ عبرانی دور کا دوسرا سال

یکم ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین = (۶۳۰ + ۳۶۵ تقسیم ۲۴۳) تقسیم ۴ ۹۷۰۲۰۴ء = ۶۵۰ء۰۳۴۱۶، (۶۵۰ء۰۳۴۱۶ - ۶۵۲۶ء۶۴۰) = ۹ء۳۸۱۵۶، (۹ء۳۸۱۵۶ × ۱۲) = ۴ء۵۷۸۷۲، (۵۷۸۷۲ء × ۲۹ء۵) = ۱۷ء۰۷ = ۱۷ جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری، پس یکم جمادی الاخریٰ) ۹ ہجری قمری بمطابق یکم محرم ۹ ہجری قمریہ شمسی = ۳۲ - ۱۷ = ۱۵ ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین، تاریخ اور وقت قران ۱۲ ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین بوقت ۱۰:۳۷، پس صحیح تاریخ ۱۴ ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین، ۱۴ ستمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا دن = (۶۲۹ × ۱ء۲۵ کا حاصل ضرب بحذف کسر) + ۲۵۷ = ۱۰۴۳، (۱۰۴۳ تقسیم ۷ کا باقی ماندہ) = صفر = جمعۃ المبارک

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۴ ستمبر ۶۳۰ء	جمعہ	یکم محرم ۹ ہجری	یکم جمادی الاخریٰ ۹ ہجری	۱۲ ستمبر	۱۰:۳۷
۱۳ اکتوبر	ہفتہ	یکم صفر	یکم رجب	۱۱ اکتوبر	۲۰:۰۹
۱۲ نومبر	سوموار	یکم ربیع الاول	یکم شعبان	۱۰ نومبر	۰۷:۱۱
۱۱ دسمبر	منگل	یکم ربیع الثانی	یکم رمضان	۹ دسمبر	۲۰:۱۰
۱۰ جنوری ۶۳۱ء	جمعرات	یکم جمادی الاولیٰ	یکم شوال	۳ جنوری	۱۱:۱۹

۹فروری	ہفتہ	یکم جمادی الاخریٰ	یکم ذی قعدہ	۷فروری	۰۴:۱۴
۱۱مارچ	سوموار	یکم رجب	یکم ذی الحجہ	۸مارچ	۲۱:۴۸
۹اپریل	منگل	یکم شعبان	یکم محرم۱۰ہجری	۷اپریل	۱۴:۳۸
۹مئی	جمعرات	یکم رمضان	یکم صفر	۷مئی	۰۵:۵۰
۷جون	جمعہ	یکم شوال	یکم ربیع الاول	۵جون	۱۹:۰۸
۷جولائی	اتوار	یکم ذی قعدہ	یکم ربیع الثانی	۵جولائی	۰۶:۴۷
۵اگست	سوموار	یکم ذی الحجہ	یکم جمادی الاولیٰ	۳اگست	۱۷:۱۲

۱۔وصولی صدقات:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۴ستمبر۶۳۰ء	جمعہ	یکم محرم۹ہجری	یکم جمادی الاخریٰ۹ہجری	۱۲ستمبر	۱۰:۳۷

صدقات کی وصولی کے لئے اکثر عاملین کا تقرر محرم ۹ ہجری میں ہوا تھا (۵۱) گذشتہ سے پیوستہ زمنی ترتیب کے لحاظ سے یہ توقیت قمریہ شمسی تقویم میں ہے۔پس وصولی صدقات کے لئے عاملین کے تقرر کی ابتداء محرم ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق جمادی الاخریٰ ۹ ہجری قمری بمطابق ستمبر/ اکتوبر ۶۳۰ عیسوی جیولین میں ہوئی۔

۲۔سریہ عیینہؓ بن حصن فزاری:

یہ سریہ بھی محرم۹ہجری میں بھیجا گیا تھا (۵۲)۔زمنی ترتیب کے لحاظ سے تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ اور توقیت حسبِ سابق ہے۔

۳۔سریہ قطبہ بن عامر انصاری:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۳ اکتوبر ۶۳۰ء	ہفتہ	یکم صفر ۹ ہجری	یکم رجب ۹ ہجری	۱۱ اکتوبر	۲۰:۰۹

سریہ ہذا کا مہینہ ابن سعد اور واقدی نے صفر ۹ ہجری لکھا ہے (۵۳) زمنی ترتیب کے اعتبار سے یہ توقیت قمریہ شمسی تقویم میں ہوئی ہے۔ پس یہ سریہ صفر ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رجب ۹ ہجری قمری بمطابق اکتوبر/نومبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۴۔ وفات اصحمہؓ نجاشی شاہ حبشہ:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ وہی ہے جو اوپر سریہ قطبہؓ بن عامر انصاری کے عنوان کے تحت دیا جاچکا ہے۔ مشہور قول کے مطابق نجاشی کے انتقال کا مہینہ رجب ۹ ہجری ہے (۵۴) اور بعض کے نزدیک یہ فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے (۵۵) یہ توقیتی اختلاف ظاہر کررہا ہے کہ یہاں رجب ۹ ہجری خالص قمری تقویم کا ہے۔ جیسا کہ آئندہ سطور میں حج ابی بکر صدیقؓ اور غزوہ تبوک کے توقیتی مباحث سے واضح ہوجائے گا کہ غزوہ تبوک کے مہینے بشمول رجب ۹ ہجری سب کے سب قمریہ شمسی تقویم کے مہینے ہیں۔ اگر نجاشی کا انتقال رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی میں ہوا ہوتا تو غزوہ تبوک جیسے اہم غزوے کے حوالے سے یہ بات مشہور ہوجاتی کہ نجاشی کا انتقال غزوہ تبوک سے چند روز پہلے ہوا تھا اور اس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا پس نجاشی کے انتقال کا مہینہ صفر ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رجب ۹ ہجری قمری بمطابق اکتوبر/نومبر ۶۳۰ عیسوی جیولین ہے۔

۵۔ وفات ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۲ نومبر ۶۳۰ء	سوموار	یکم ربیع الاول ۹ ہجری	یکم شعبان ۹ ہجری	۱۰ نومبر	۰۷:۱۱

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی اہلیہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کا مہینہ اہل سیر نے شعبان ۹ ہجری بیان کیا ہے (۵۶) یہ یقیناً خالص قمری تقویم کی توقیت ہے کیونکہ رجب ۹ ہجری (قمریہ شمسی) سے اوائل رمضان ۹ ہجری (قمریہ شمسی) غزوہ تبوک کے مہینے ہیں۔

حج ابی بکر صدیقؓ اور غزوہ تبوک کے توقیتی مباحث سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ غزوہ تبوک کے مہینے قمریہ شمسی تقویم کے ہیں اور یہ قطعاً خلاف عقل ہے کہ جس شعبان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب غزوہ تبوک کے سلسلے میں مدینہ سے باہر ہوں اسی شعبان میں حضرت ام کلثومؓ کا مدینے میں انتقال ہوا اور مدینے میں ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تجہیز و تکفین کے انتظامات فرمائیں اور مدینے میں آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ پس حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کا مہینہ شعبان ۹ ہجری خالص قمری تقویم کا مہینہ ہے۔ یہاں یہ شبہ درست نہیں کہ غزوہ تبوک سے مراجعت شاید اواخر شعبان ۹ ہجری میں ہوئی ہو۔ کیونکہ آئندہ توقیتی مباحث سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ تبوک کے لئے روانگی اواخر رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی میں بروز جمعرات ہوئی تھی۔ تبوک تک آمد و رفت میں ایک ماہ سے بھی کچھ اوپر کا عرصہ درکار ہے۔ تبوک میں قیام تقریباً بیس روز رہا اس لئے غزوہ تبوک سے مراجعت کم از کم پچاس روز کے بعد ممکن ہے چنانچہ اہل سیر نے تبوک سے مراجعت کا مہینہ رمضان ۹ ہجری بیان کیا ہے (۵۷) بلکہ ابن حبیب بغدادی نے اس غزوے سے مراجعت اواخر شوال ۹ ہجری کی بیان کی ہے (۵۸) پس حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کا مہینہ شعبان ۹ ہجری ہرگز قمریہ شمسی تقویم کا نہیں ہو سکتا۔ ان کا انتقال ربیع الاول ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رجب ۹ ہجری قمری بمطابق نومبر/ دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے۔

۶۔ سریہ ضحاک بن سفیان:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ حسب سابق ہے۔ اس سریے کا مہینہ ابن سعد اور واقدی نے ربیع الاول ۹ ہجری بیان کیا ہے (۵۹) جو زمنی ترتیب کے اعتبار سے قمریہ شمسی مہینہ ہے۔ پس یہ سریہ ربیع الاول ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق شعبان ۹ ہجری قمری بمطابق نومبر، دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔

۷۔ سریہ علقمہؓ بن مجززؓ مدلجی:

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۱ دسمبر ۶۳۰ء	منگل	یکم ربیع الثانی ۹ ہجری	یکم رمضان ۹ ہجری	۹ دسمبر	۲۰:۱۰

ابن سعد اور واقدی نے اس سریے کا مہینہ ربیع الثانی ۹ ہجری لکھا ہے (۶۰) ابن سعدؒ نے یہ بھی لکھا ہے واوقدوا نارا یصطلون علیھا" اور لوگوں نے (اس سریے میں) آگ جلائی جسے وہ جسم کو گرمانے کے لئے تاپتے تھے" اوپر جدول سے واضح ہے کہ ربیع الثانی ۹ ہجری قمریہ شمسی کے بالمقابل عیسوی جیولین کا مہینہ دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین ہے جو واقعی موسم سرما کا مہینہ ہے۔ زمنی ترتیب کے اعتبار سے بھی یہ ربیع الثانی ۹ ہجری، قمریہ شمسی تقویم ہی کا بنتا ہے۔ خالص قمری تقویم کا ربیع الثانی ۹ ہجری قمری تو موسم گرما کے بالمقابل تھا جس میں آگ تاپنا قرین فہم نہیں۔ تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۷ جولائی ۶۳۰ء	منگل	یکم ذی قعدہ ۸ ہجری	یکم ربیع الثانی ۹ ہجری	۱۵ جولائی	۱۸:۰۲

پس سریہ ہذا کا مہینہ ربیع الثانی ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۹ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین/جنوری ۶۳۱ عیسوی جیولین ہے۔

۸۔ سریہ علی بن ابی طالب (مہم فُلس):

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۱ دسمبر ۶۳۰ء	منگل	یکم ربیع الثانی ۹ ہجری	یکم رمضان ۹ ہجری	۹ دسمبر	۲۰:۱۰

ابن سعد اور واقدی نے اس سریے کا مہینہ ربیع الثانی ۹ ہجری بیان کیا ہے (۶۱) زمنی ترتیب کے اعتبار سے سریہ علقمہ بن مجزز کے ربیع الثانی کی طرح یہ ربیع الثانی بھی قمریہ شمسی تقویم کا ہے پس سریہ علی بن ابی طالب (مہم فلس) بھی ربیع الثانی ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۹ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۰

/جنوری ۶۳۱ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے۔

۹۔حج حضرت ابوبکر صدیقؓ:

یہ امر دو اور دو چار کی طرح قطعی یقینی ہے کہ ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زیر امارت جو حج ہوا، وہ غزوہ تبوک سے پہلے کا واقعہ ہے جسے دو تقویمی التباس کی وجہ سے اہل سیر و مغازی نے ناحق کئی ماہ مؤخر اور غزوہ تبوک کو ناحق مقدم کر دیا۔ دلائل درج ذیل ہیں:

الف۔غزوہ تبوک کے مہینے سیرت نگاروں کے بقول رجب، شعبان اور رمضان ۹ ہجری کے ہیں بلکہ ابن حبیب نے تو غزوہ تبوک سے مراجعت کا مہینہ اواخر شوال ۹ ہجری لکھا ہے(۶۲) اور یہ امر بھی قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ کی روشنی میں بالاتفاق مُسلّم ہے کہ اس غزوے کا موسم سخت گرم تھا۔ اہل سیر و مغازی مثلاً ابن کثیرؒ نے بجا طور پر لکھا ہے وکان ذالک فی حرّ شدید وضیق من الحال"(۶۳) "(غزوہ تبوک) شدید گرمی اور تنگ حالی میں واقع ہوا تھا"۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے و ذالک فی زمان عسرۃ من الناس و شدۃ من الحر و جدب من البلاد و حین طابت الثمار فا لناس یحبون المقام فی ثمارھم و ظلالھم (۶۴)" (یہ غزوہ) لوگوں کی تنگ دستی، شدید گرمی اور خشک سالی میں ہوا تھا جب پھلوں کا پکنا خوش نما منظر تھا اس لئے لوگ اپنے پھلوں اور اپنے (درختوں کے) سایوں میں قیام کو پسند کرتے تھے' اور قرآن کریم کی شہادت سب پر بھاری ہے وقالوا لاتنفروا فی الحرّ قل نار جھنم اشد حرا (۶۵)" اور وہ (منافقین) کہتے ہیں گرمی میں سفر نہ کرو(اے پیغمبر!) تو (ان سے) کہہ دے کہ جہنم کی آگ تو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے"۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں غزوہ تبوک کے لئے تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہوگا

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۱ مارچ ۶۳۱ء	سوموار	یکم رجب ۹ ہجری	یکم ذی الحجہ ۹ ہجری	۸ مارچ	۲۱:۴۸
۱۹ اپریل	منگل	یکم شعبان	یکم محرم ۱۰ ہجری	۷ اپریل	۱۴:۳۸
۹ مئی	جمعرات	یکم رمضان	یکم صفر	۷ مئی	۰۵:۵۰
۷ جون	جمعہ	یکم شوال	یکم ربیع الاول	۵ جون	۱۹:۰۸

مذکورہ بالا جدول سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی سے شوال ۹ ہجری قمریہ شمسی تک کے مہینے واقعی موسم گرما کے ہیں۔

ہم آئندہ مباحث میں مناسب مقام پر واضح کریں گے کہ غزوہ تبوک کے لئے روانگی اواخر رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی میں بروز جمعرات ہوئی تھی یعنی موسم بہار تیزی سے موسم گرما میں بدل رہا تھا کھجوریں جون اور جولائی میں پکتی ہیں۔ مدینہ کے لوگوں کی یہی بڑی فصل تھی۔ غزوہ تبوک کے لئے روانگی کے دنوں میں کھجوروں کے پکنے کا عمل شروع ہو رہا تھا یہ نہیں کہ کھجوریں پک چکی تھیں اسی لئے اہل سیرت نے حین طابت الاثمار کے کلمات استعمال کئے ہیں یعنی کھجوروں کی فصل کے بتدریج پر پکنے کی یہ کیفیت بڑی خوشنما تھی انہوں نے نضجت الاثمار (پھل پک چکے تھے) کے کلمات نہیں لکھے اس گرمی میں اور فصل کی اس حالت میں گھروں کو چھوڑنا اور تبوک کے سفر پر روانہ ہونا نہایت ہی سخت آزمائش تھی جبکہ یہ سفر خاصا طویل بھی تھا۔ اگر ہم غزوہ تبوک کے مہینوں کو خالص قمری تقویم کے مہینے شمار کریں تو تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہوگا:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۳ اکتوبر ۶۳۰ء	ہفتہ	یکم صفر ۹ ہجری	یکم رجب ۹ ہجری	۱۱ اکتوبر	۲۰:۰۹
۱۲ نومبر	سوموار	یکم ربیع الاول	یکم شعبان	۱۰ نومبر	۱۱:۰۷
۱۱ دسمبر	منگل	یکم ربیع الثانی	یکم رمضان	۹ دسمبر	۲۰:۱۰
۱۰ جنوری ۶۳۱ء	جمعرات	یکم جمادی الاولی	یکم شوال	۳ جنوری	۱۱:۱۹

مذکورہ جدول سے واضح ہے اگر غزوہ تبوک کے لئے روانگی کا مہینہ رجب ۹ ہجری خالص قمری تقویم کا ہو اور مؤرخین کی تصریح کے مطابق روانگی جمعرات کو ہوئی ہو تو کسی بھی صورت میں یہ روانگی ۱۸ اکتوبر ۶۳۰ عیسوی جیولین سے پہلے ممکن نہیں۔ کھجور کی فصل تو جون جولائی تک تیار ہو چکی ہوتی ہے تو یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ غزوہ تبوک کے ایام لوگوں کے لئے تنگدستی اور بدحالی کے ایام تھے؟ مزید برآں اس صورت میں لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ غزوہ تبوک سے مراجعت دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین میں ہوئی بمطابق توقیت ابن حبیب بغدادی شوال میں مراجعت کو صحیح سمجھا جائے اور شوال کو خالص قمری تقویم کا لیا

جائے تو یہ مراجعت جنوری ۶۳۱ عیسوی جیولین میں ہوئی تو یہ کیونکر درست ہوئی کہ تبوک کے ایام میں شدید گرمی تھی اور منافقین کا یہ مشورہ کیسے قابل قبول ہوسکتا تھا کہ گرمی میں سفر نہ کرو؟ اگر چہ ستمبر اور اکتوبر کے مہینے خزاں کے سمجھے جاتے ہیں لیکن اکتوبر کے اواخر تک خزاں ختم ہوکر سرما کا آغاز ہوجاتا ہے لہذا بعض متقدمین کا اس غزوے کو موسم خزاں کا غزوہ قرار دینا (۶۶) بھی قطعاً غلط ثابت ہو رہا ہے۔ نیز اس موسم میں کھجوروں کی فصل کی آمد کا انتظار نہیں ہوا کرتا بلکہ یہ فصل گھروں میں آچکی ہوتی ہے

جب غزوہ تبوک کا قمریہ شمسی مہینوں میں ہونا بخوبی ثابت ہو چکا تو اگر حج ابی بکر صدیقؓ غزوہ تبوک کے بعد ہوا ہو تو اس حج کے ذی الحجہ ۹ ہجری کو لازماً قمریہ شمسی ذی الحجہ قرار دینا ہوگا اور تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہوگا:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۵ اگست ۶۳۱ء	سوموار	یکم ذی الحجہ ۹ ہجری	یکم جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری	۱۳ اگست	۱۲:۱۷

جدول سے واضح ہے کہ ذی الحجہ ۹ ہجری قمریہ شمسی کے بالمقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمری ہے۔

یہ امر بالاتفاق مُسلم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع خالص قمری تقویم کے مطابق ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری میں ہوا تھا، کیونکہ اس حج میں آپ ﷺ نے عربوں کی نسی والی تقویم یعنی قمریہ شمسی تقویم کو منسوخ فرمایا تھا، چنانچہ کتب حدیث میں آپ ﷺ کے خطبے کا متعلقہ متن یوں ہے: الا انّ الزمان قد استدار علی هیئته یوم خلق الله السموات و الارض، السنة اثنا عشر شهرا منها اربعة حرم (۶۷) ''زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، سال بارہ مہینے کا ہے ان میں چار حرمت والے (مہینے) ہیں'' یہ فرض کر لینا انتہائی نامعقول ہوگا کہ جس نسی والی تقویم کو منسوخ فرماتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، اسی تقویم کے مطابق حجۃ الوداع ہوا ہو۔ اب اگر یہ مانا جائے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حج ذی الحجہ ۹ ہجری قمریہ شمسی میں ہوا جس کے بالمقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمری تھا تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اسی قمری سال ۱۰ ہجری میں حج ابی بکر صدیقؓ کے کوئی سات ماہ بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع ہوا تھا، بالفاظ دیگر سال ۱۰ ہجری قمری میں دو حج ہوئے تھے۔ حالانکہ سلف وخلف میں

سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں بلکہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ حج ابی بکر صدیق، حجۃ الوداع سے ایک سال پہلے ہوا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ حج ابی بکر صدیق کا ذی الحجہ ۸ ہجری ہرگز قمریہ شمسی تقویم کا نہیں بلکہ خالص قمری تقویم کا ہے۔ اس کا مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ بعض روایات کے مطابق حج ابی بکر صدیقؓ کے موقع پر کفار اور مشرکین کے خلاف اعلان برأت کے ساتھ سورہ توبہ کی تیس یا چالیس ابتدائی آیات بھی پڑھی گئی تھیں (۶۸) اگر اس موقع پر چالیس آیات پڑھی گئی ہوں تو ان میں وہ آیات بھی شامل ہیں جن میں رسم نسی کی مذمت کی گئی ہے اور اسے کفر (کے کاموں میں) اضافہ قرار دیا گیا ہے (۶۹) یہ کیسے ممکن ہے کہ جس قمریہ شمسی تقویم کی حج ابی بکر صدیقؓ کے موقع پر مذمت کی جارہی ہو اسی تقویم کے مطابق یہ حج کیا جارہا ہو؟

الغرض اس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں کہ حج ابی بکر صدیقؓ کا ذی الحجہ ۹ ہجری خالص قمری تقویم کا تھا تقابلی تقویمی جدول کا حصہ یہ ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۱ مارچ ۶۳۱ء	سوموار	یکم رجب ۹ ہجری	یکم ذی الحجہ ۹ ہجری	۸ مارچ	۲۱:۴۸

مذکورہ بالا جدول سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ جس رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی میں غزوہ تبوک کے لئے روانگی ہوئی اسی کے بالمقابل حضرت ابو بکر صدیق کے حج کا ذی الحجہ ۹ ہجری قمری ہے یعنی حج ابی بکر صدیق اور غزوہ تبوک کے لئے روانگی کا ایک ہی مہینہ ہے۔ اگر غزوہ تبوک کی مدت دو چار دن ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ غزوہ تبوک اوائل رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اوائل ذی الحجہ ۹ ہجری قمری میں ہوا تھا اس کے بعد حج ابی بکر صدیق کے لئے روانگی ہوئی۔ لیکن غزوہ تبوک کی مدت تو رجب سے رمضان تک کے مہینوں پر محیط ہے پس لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حج ابی بکر صدیقؓ پہلے ہوا۔ اور جب حضرت ابو بکر صدیقؓ اس حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو بروز جمعرات غزوہ تبوک کے لئے اسی مہینے روانگی ہوئی۔ جمعرات کا دن ۱۸ اور ۲۵ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی کو بنتا ہے۔ ہم غزوہ تبوک کے توقیتی مباحث میں انشاء اللہ واضح کریں گے کہ قرائن قویہ کی بنا پر غزوتبوک کے لئے روانگی ۲۵ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۵ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری بمطابق ۴ اپریل ۶۳۱ عیسوی جیولین بروز جمعرات ہوئی۔ ابن حبیب بغدادیؒ نے غزوہ تبوک کے لئے روانگی کی تاریخ یکم رجب ۹ ہجری اور دن سوموار لکھا ہے (۷۰) اگرچہ یکم رجب ۹ ہجری (قمریہ شمسی) کو واقعی سوموار کا دن ہی تھا جیسا کہ مذکور جدول سے بھی واضح ہے، لیکن ابن حبیب کی یہ توقیت

یقیناً غلط ہے کیوں کہ اس غزوے کے لئے روانگی حج ابوبکر صدیق کے بعد ہوئی تھی اور مناسک حج ۱۲، ۱۳/ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۱۲/۱۳ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری بمطابق ۲۲/۲۳ مارچ ۶۳۱ عیسوی جیولین سے پہلے مکمل نہیں ہوسکتے تھے۔ دیگر اہل سیر و مغازی نے تبوک کے لئے روانگی کا دن جمعرات لکھا ہے۔ (۷۱)

ب۔ علامہ سیوطیؒ کی تفسیر الدرالمنثور میں عکرمہ بن زبیر کی روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے اس وقت روانہ ہوئے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ حج سے فارغ ہوکر واپس آ چکے تھے (۷۲) اگر چہ علامہ سیوطیؒ کی کتب میں رطب و یابس سب کچھ موجود ہے جس سے اہل باطل خوب خوب فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن جس روایت کی تائید دیگر ناقابل تردید ذرائع سے ہوجائے اسے قبول کرنا ہی ہوگا۔

ج۔ مدینہ منورہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے لئے صرف تین سو کے قریب حضرات شامل ہوئے اگر تبوک کی مہم کا سامنا نہ ہوتا تو اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے خود نہ بھی تشریف لائے جاتے تو بھی حج کے لئے بڑی تعداد میں لوگوں کو روانہ فرماتے۔

(د) بعض روایات کے مطابق حج ابی بکر صدیقؓ کے موقع پر مشرکین کے خلاف اعلان برأت کے ساتھ سورہ توبہ کی ابتدائی چالیس آیات کی تلاوت کی گئی تھی (۷۳) ان آیات میں آخری دو آیات میں غزوہ تبوک میں شرکت سے گھبرانے والوں کو یہ وعید سنائی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری نہ کی اور جہاد کے لئے بخوشی آمادہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہاری بجائے کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ اگر تم نے رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کی تو (اللہ تعالیٰ متبادل اسباب پیدا فرمادے گا جیسا کہ) وہ اس سے پہلے بھی اپنے رسول کی مدد کر چکا ہے جب (وہ اور ابوبکر صدیقؓ) دونوں غار میں تھے الآیۃ (۷۴) اگر یہ آیات حج ابی بکر صدیقؓ کے موقع پر پڑھی گئی ہیں تو صاف پتا چلا کہ حج ابی بکرؓ پہلے ہوا اور غزوہ تبوک بعد میں ہوا کیونکہ اس مضمون کی آیات کا نزول غزوہ تبوک سے یقیناً پہلے ہی ہوسکتا ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات کَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ سے فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ تک تمام آیات کا نزول بقول حضرت عبداللہ بن عباسؓ فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا اور ائمۃ الکفر سے بقول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سرداران قریش ابوسفیان اور سہیل بن عمرو وغیرہ مراد ہیں لیکن اکثر مفسرین مثلاً علامہ قرطبیؒ وغیرہ کو یہ اشکال پیش آیا ہے کہ (بقول ان کے) سورت کا نزول تو فتح مکہ اور غزوہ تبوک کے بعد ہوا اور مشرکین سے اعلان برأت ۱۰ ذی الحجہ ۹

ہجری کو ہوا اور مشرکین کے لئے چار ماہ کی مہلت کی مدت ۱۰ ذی الحجہ ۹ ہجری کے بعد شروع ہونا تھی تو جو لوگ ان آیات کے نزول سے ایک سال پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، تو وہ ان آیات کا مصداق اور ان احکام کے مخاطب کیسے ہو سکتے ہیں؟ (۷۵) چنانچہ بعض علماء مثلاً حسن بصریؒ کے نزدیک ان آیات میں ائمۃ الکفر سے مراد رؤساء یہود ہیں جنہوں نے آپ ﷺ سے بدعہدی کی اور آپ کے خلاف مشرکین کی مدد کی اور منافقوں کی مدد سے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور آپ کے قتل کے مشورے کئے۔ سورہ توبہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی لہذا مناسب یہی ہے کہ ائمۃ الکفر سے رؤسا یہود مراد لئے جائیں (۷۶)

ہماری رائے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہی راجح اور معتبر ہے۔ ان آیات کا بلکہ ان کے ساتھ متصل بعض دیگر آیات کا مضمون اور مفہوم ہی صاف صاف بتا رہا ہے کہ یہ آیات فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئیں جن مفسرین کو اس کے خلاف اشکال پیش آیا ہے، ان کا غلطی پر ہونا اسی سے واضح ہے کہ وہ غزوہ تبوک کو مقدم اور حج ابی بکر صدیق کو مؤخر خیال کئے بیٹھے ہیں کہ ان آیات کا نزول غزوہ تبوک کے بعد حج ابی بکر صدیقؓ سے پہلے ہوا تھا، حالانکہ جیسا کہ ہم ناقابل تردید شواہد سے ثابت کر چکے ہیں حج ابی بکر صدیق مقدم ہے۔ یہ آیات فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئیں اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ قرآنی آیات میں اعتبار عموم کا ہوتا ہے صرف کسی خاص شان نزول کا نہیں ہوتا (العبرۃ للعموم لا لخصوص المورد) اس لئے حج ابی بکر صدیقؓ کے موقع پر ان آیات کی تلاوت ائمۃ الکفر اور ان کے خلاف جہاد پر ترغیب کے مضامین کے عموم کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ مسلمانوں کو مستقبل قریب اور بعید میں ائمۃ الکفر سے واسطہ پڑتا رہے گا اور جہاد پر ترغیب اور جہاد سے اعراض پر وعید کا مضمون آئندہ کے لئے بھی مؤثر رہے گا تاہم یہ بات سورہ توبہ کی آیات ۳۸ تا ۴۰ پر اس لئے صادق نہیں آتی کہ ان میں خاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد میں ایسی مدد آپ کی دنیوی حیاۃ طیبہ میں ہی ممکن ہے۔ پس اگر ان آیات کی بھی حج ابی بکر صدیقؓ کے موقع پر تلاوت کی گئی ہے تو یقیناً ان آیات کا نزول غزوہ تبوک سے پہلے ہوا اور غزوہ تبوک حج ابی بکر صدیقؓ سے مؤخر ہوا۔ سورہ توبہ کی اکثر آیات فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد غزوہ تبوک سے پہلے، غزوہ تبوک کے دوران اور غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی کچھ آیات فتح مکہ سے پہلے نازل نہ ہوئی ہوں۔ جن علماء نے ائمۃ الکفر سے مراد رؤسائے یہود لئے ہیں ان کی رائے کا کمزور اور مرجوح ہونا اس سے بھی

واضح ہورہا ہے کہ بقول ان کے یہ آیات فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں نازل ہوئیں۔ اس وقت تو یہودی بالکل مغلوب ومقہور اور خائب وخاسر ہو چکے تھے۔ غزوہ خیبر میں ان کی رہی سہی قوت بھی پاش پاش کر دی گئی تھی۔ ان کی زرعی اراضی مسلمانوں کے قبضے میں آ چکی تھیں اور یہودی ان اراضی پر مسلمانوں کے مزارعین کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ان کے بڑے بڑے بڑے سردار مقتول ہو چکے تھے۔ مدینہ کے پڑوس میں آباد دو یہودی قبائل جلاوطن اور بنو قریظہ مقتول ومخزول ہو چکے تھے تو ان آیات میں ائمۃ الکفر کے خلاف جس شدّ ومدّ سے قتال کی تاکید وترغیب اور قتال سے اعراض پر جس طرح سخت کلمات میں وعید موجود ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آیات فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور ائمۃ الکفر سے رؤسائے قریش مراد ہیں۔

(ھ) حج ابی بکر صدیق کے مقدم اور غزوہ تبوک کے مؤخر ہونے کے استدلال میں ہم نے اس بات پر زیادہ زور دیا ہے کہ غزوہ تبوک کے مہینے قمریہ شمسی ہیں جو موسم گرما کے بالمقابل ہیں۔ اگر غزوہ تبوک کے لئے روانگی کے مہینے رجب ۹ ہجری کو خالص قمری تقویم کا لیا جائے تو یکم رجب ۹ ہجری قمری کے بالمقابل عیسوی تاریخ ۱۳ اکتوبر ۶۳۰ عیسوی جیولین نسی ہے اور دن ہفتہ برآمد ہوتا ہے چونکہ یہ روانگی جمعرات کو ہوئی تھی لہذا اس صورت میں ۶ رجب ۹ ہجری قمری بمطابق ۱۸ اکتوبر ۶۳۰ عیسوی بروز جمعرات سے پہلے روانگی ممکن نہیں، اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ اکتوبر میں رات کو نہ سہی لیکن دن کے وقت خاصی گرمی ہوسکتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو اواخر اکتوبر میں موسم خزاں زوال پذیر ہو جاتا ہے اور موسم سرما کے آغاز پر گرمی کی شدت اتنی نہیں ہوا کرتی جس کا تذکرہ اہل سیر نے غزوہ تبوک کے ایام کے متعلق کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ غزوہ تبوک کے ایام میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر امارت اکیدر نصرانی کی جانب چاندنی راتوں میں سریہ بھیجا گیا تھا۔ اگر غزوہ تبوک کے لئے روانگی ۶ رجب ۹ ہجری قمری کی فرض کر لی جائے تو تبوک میں عام حالات میں ۲۱ رجب ۹ ہجری سے پہلے پہنچنا مشکل ہے۔ لہذا چاندنی راتیں اگلے قمری مہینے شعبان ۹ ہجری قمری ہی کی ہوسکتی ہیں۔ یکم شعبان ۹ ہجری قمری کے بالمقابل عیسوی تاریخ ۱۲ نومبر ۶۳۰ عیسوی جیولین ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں تقابلی تقویمی جدول کے متعلقہ حصوں سے واضح ہے لہذا شعبان کی چاندنی راتیں اواخر نومبر ۶۳۰ عیسوی میں ہی ممکن ہیں۔ واقدی نے حضرت خالدؓ بن ولید کے اس سریے کے متعلق لکھا ہے: ''فخرج خالد حتی اذا کان من حصنہ بمنظر العین فی لیلۃ مقمرۃ صائفۃ ...... وصعد (اکیدر بن عبد الملک) علیٰ ظھر الحصن من الحرّ (۷۷)'' تو

خالدؓ (سریے کے لئے) نکلے جب وہ اس (اکیدر) کے قلعے سے اتنے فاصلے پر تھے کہ آنکھوں سے دکھائی دیتا تھا تو وہ (اکیدر) قلعے کی پشت (چھت) پر شدید گرمی کی وجہ سے چڑھا''۔ اواخر نومبر میں دن کے وقت گرمی تسلیم بھی کر لی جائے تو بھی رات کو ایسی گرمی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کی شدت سے اکیدر قلعے کی چھت پر جانے کے لئے مجبور ہو جاتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اہل سیر نے صرف گرمی ہی کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ کھجور کی فصل پکنے کے قریب تھی اور یہ کہ لوگ قحط سالی کا شکار تھے۔ اواخر نومبر میں کھجور کی فصل پکنے کے قریب نہیں ہوتی بلکہ موسم گرما کے آخر میں یہ فصل گھروں میں پہنچ جاتی ہے لہذا قحط سالی کا بھی کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ پس کسی صورت میں بھی یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ غزوہ تبوک کے مہینے خالص قمری تقویم کے تھے بلکہ یہ مہینے قمریہ شمسی تھے جب کہ حج ابی بکرؓ کا ذی الحجہ ۹ ہجری خالص قمری تقویم کا تھا جیسا کہ قبل ازیں بخوبی ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہذا اس امر میں قطعاً کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی کہ حج ابی بکر صدیقؓ پہلے ہوا اور غزوہ تبوک بعد میں ہوا۔ **وھو المطلوب**۔ پس حج ابی بکر صدیقؓ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ذی الحجہ ۹ ہجری قمری بمطابق مارچ ۶۳۱ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے۔ حج ابی بکر صدیقؓ میں مشرکین کے خلاف اعلانِ برأت کے سلسلے میں سورہ توبہ کی ابتدائی آیات کی تلاوت بھی کی گئی تھی۔ ان آیات کے مطابق مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی اور یہ کہ جب حرمت والے مہینے (اشہر حرم) ختم ہو جائیں تو مشرکین کی پکڑ دھکڑ شروع ہو جائے گی۔ عربوں کے اس دور کے دو تقویمی نظام سے کما حقہ باخبر نہ ہونے کی وجہ سے ان چار مہینوں اور اشہر حرم کی تعیین میں مفسرین کو سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

چار مہینوں اور اشہر حُرم کے متعلق تفسیری اقوال کا جائزہ:

امام رازیؒ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اعلان برأت کے موقع پر مشرکین کو جن چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی ان کی تعیین میں اختلاف پایا جاتا ہے پھر انہوں نے تین تفسیری اقوال کا ذکر کیا ہے (۷۸)۔ امام زہریؒ کا قول یہ ہے کہ ان چار مہینوں کی ابتدا شوال ۹ ہجری سے ہوئی کیونکہ بقول ان کے سورہ توبہ کی متعلقہ آیات کا نزول شوال ۹ ہجری میں ہوا تھا۔ اس قول کا غیر معتبر اور ناقابل تسلیم ہونا از خود واضح ہے۔ اول تو سورہ توبہ کی متعلقہ آیات کا نزول شوال میں ہونا دعوی بلا دلیل ہے پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ شوال قمریہ شمسی تھا یا قمری تقویم کا تھا۔ نیز مشرکین سے اعلان برأت اور مُدّتِ مہلت کا اعلانِ عام تو ۱۰ ذی الحجہ ۹ ہجری (یوم النحر) کے دن ہو لیکن چار ماہ کی مہلت کا شمار کوئی دو ماہ سے

بھی چند دن پہلے یکم شوال ہجری سے کیا جائے تو اسے چار ماہ کی مہلت قرار دینا سرے سے مضحکہ خیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہر طرح کے عیب سے پاک ہے۔ امام زہریؒ نے یہ قول اس لئے بھی اختیار کیا ہے کہ سورہ توبہ کی متعلقہ آیات میں یہ بھی ہے کہ جب اشہر حرم یعنی حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کرو اور ان کی پکڑ دھکڑ کرو۔ شوال سے چار ماہ کی مدت شمار کی جائے تو اس میں ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے حرمت والے مہینے شامل ہو جاتے ہیں۔ شوال اگرچہ حرمت والا مہینہ نہیں لیکن دوسرے تین اشہر حرم کی بنا پر انہیں تغلیباً اشہرِ حُرم کہا جا سکتا ہے لیکن اس قول پر جو قوی اشکال وارد ہوتا ہے وہ مذکور ہو چکا۔

ایک قول یہ ہے کہ ان چار مہینوں کی ابتداء ۱۰ ذی قعدہ ۹ ہجری سے ہوئی اور چار ماہ کی مدت ربیع الاول ۱۰ ہجری کو ختم ہوئی۔ اس قول کی بنیاد اس پر ہے کہ بقول ان مفسرین کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حج کا ذی الحجہ ۹ ہجری عربوں کی نسی والی (قمریہ شمسی) تقویم کا تھا (۷۸) اور خالص قمری تقویم کا مہینہ ان دنوں ذی قعدہ ۹ ہجری تھا لہذا مدت مہلت کا شمار ۱۰ ذی قعدہ ۹ ہجری سے ہونا چاہئے۔ ہم ۱۰ ذی قعدہ ۹ ہجری قمری کے بالمقابل عیسوی تاریخ معلوم کرتے ہیں۔ (۱۰×۲۹ء۵)+۹=۳۰۴، (۳۰۴ تقسیم ۳۵۴)+ ۹=۹ء۸۵۸۷۵۷، (۹ء۸۵۸۷۵۷×۹۷ء۰۲۰۴)+۵۶۹۲=۶۲۱ء۱۳۴۲، ۶۳۱ء۱۳۴۲، (۰ء۱۳۴۲×۳۶۵)=۴۸ء۹۸=۴۹=۱۸ فروری ۶۳۱ عیسوی جیولین، اس سے معلوم ہوا کہ ۱۰ ذی قعدہ ۹ ہجری قمری کو قمریہ شمسی مہینہ اور تاریخ ۱۰ ذی الحجہ ۹ ہجری قمریہ شمسی تبھی ممکن ہے جب کہ قمریہ شمسی تقویم سے پہلے مہینے محرم کا آغاز مارچ (موسم بہار) سے کیا جائے۔ اس نظریے کا باطل ہونا ہم نہایت تفصیل سے مقالہ ہذا کی دوسری قسط میں بیان کر چکے ہیں (۷۹) یہاں بطور یادداشت چند نکات ذہن میں رکھنے چاہییں۔

(الف) حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے یوم وفات پر سورج گرہن ہوا تھا (۸۰) جیولین عیسوی تاریخ ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین تھی (۸۱) اسے ہم خالص قمری تقویم میں لاتے ہیں۔ (۲۶ تقسیم ۳۶۶)+۶۳۲=۶۳۲ء۰۷۱۰۳، (۶۳۲ء۰۷۱۰۳ تقسیم ۹۷ء۰۲۰۴)-۶۵۲۶ء۶۴۰= ۱۰ء۸۳، (۰ء۸۳×۱۲)=۹ء۹۶، (۰ء۹۶×۲۹ء۵)=۲۸ء۳۲=۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری، حضرت ابراہیمؑ اپنی عمر کے سترہ ماہ پورے کرنے کے بعد ایام رضاعت ہی میں انتقال فرما گئے۔ شوال کا مہینہ قمری سال کا دسواں مہینہ ہوتا ہے اس میں پچھلے سال ۹ ہجری قمری کے بارہ مہینے بھی ڈالے تو مدت ۲۲ ماہ بنی۔ اس میں سے ۱۷ ماہ تفریق کرنے سے پانچ ماہ باقی بچے۔ قمری تقویم میں پانچواں مہینہ جمادی الاولیٰ کا ہوتا ہے تو حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا قمری مہینہ جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری ہوا۔ چنانچہ قاضی

محمد سلیمان منصور پوریؒ نے رحمۃ للعالمین میں ولادت کا یہی مہینہ برآمد کیا ہے (۸۲) لیکن اہل سیر نے ولادت کا مہینہ ذی الحجہ ۸ ہجری بیان کیا ہے (۸۳) اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ قمریہ شمسی توقیت ہے۔ اب ہم یکم جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری کے بالمقابل عیسوی تاریخ معلوم کرتے ہیں (۲۹٫۵×۴ تقسیم ۳۵۴)+۹=۹٫۳۳۳۳۳۳۳۳، (۹٫۳۳۳۳۳۳۳۳×۰٫۹۷۰۲۰۴)+۶۲۱٫۵۶۹۲=۶۳۰٫۶۲۴۴۳، (۰٫۶۲۴۴۳×۳۶۵)=۲۲۷٫۹۱=۲۲۸=۱۶ اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین، اب گر قمریہ شمسی تقویم کے محرم کا آغاز مارچ سے کیا جائے تو اگست کا مہینہ جمادی الاخریٰ کے مقابل آئے گا۔ لیکن اگر محرم قمریہ شمسی کا آغاز ستمبر (موسم خزاں) سے کیا جائے تو اگست کا مہینہ ٹھیک ذی الحجہ کے بالمقابل ہوگا اور تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہوگا:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۶ اگست ۶۳۰ء	جمعرات	یکم ذی الحجہ ۸ ہجری	یکم جمادی الاولیٰ ۹ ہجری	۱۴ اگست	۰۲:۰۶

مذکورہ جدول کے سلسلے میں سال ۸ ہجری قمریہ شمسی کی مکمل تقابلی جدول سال ۸ ہجری قمریہ شمسی کے توقیتی مباحث میں ہم پہلے ہی پیش کر چکے ہیں۔ اس سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ عربوں کے نسی والے یعنی قمریہ شمسی سال کا محرم مارچ (موسم بہار) سے نہیں بلکہ ستمبر (موسم خزاں) سے شروع ہوا کرتا تھا۔

(ب) اہل سیر و مغازی کی تصریحات کے مطابق غزوہ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے مہینے موسم گرما کے ہیں ابن سعد نے بروایت عبدالرحمٰن الفہری لکھا ہے **فسرنا فی یوم قائظ شدید الحر فنزلنا تحت ظلال الشجر** (۸۴) ''ہم (غزوہ حنین کے لئے) شدید ترین گرمی والے دن چلے تو ہم درختوں کے نیچے اترے''۔ یکم شوال ۸ ہجری قمری کے بالمقابل عیسوی تاریخ ۲۱ جنوری ۶۳۰ عیسوی جیولین تھی (۲۹٫۵×۹ تقسیم ۳۵۴)+۸=۸٫۷۵، (۸٫۷۵×۰٫۹۷۰۲۰۴)+۶۲۱٫۵۶۹۲=۶۳۰٫۰۵۸۴۸، (۰٫۰۵۸۴۸×۳۶۵=۲۱٫۳۴=۲۱=۲۱ جنوری ۶۳۰ عیسوی جیولین، اب اگر قمریہ شمسی تقویم کے محرم کا آغاز مارچ سے کیا جائے تو شوال کا مہینہ دسمبر میں آئے گا حالانکہ غزوہ حنین موسم گرما کا مہینہ ہے لیکن اگر قمریہ شمسی سال کا آغاز ستمبر سے کیا جائے تو شوال کا مہینہ ٹھیک موسم گرما کے مہینے جون کے بالمقابل ہوگا پس ثابت ہوا کہ قمریہ شمسی تقویم کا آغاز ستمبر (موسم خزاں) سے ہوا کرتا تھا۔ اور غزوہ حنین کا شوال قمریہ شمسی تھا۔

(ج) غزوہ تبوک کے مہینے بالاتفاق موسم گرما کے مہینے ہیں اس غزوے سے مراجعت رمضان

۹ ہجری میں ہوئی تھی اگر رمضان ۹ ہجری کو خالص قمری تقویم کا شمار کیا جائے تو اس کے بالمقابل عیسوی تاریخ ۱۲ دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین برآمد ہوگی (۸×۲۹٫۵ تقسیم ۳۵۴) +۹ = ۹٫۶۶۶۶۶۶۶، (۹٫۶۶۶۶۶۶۶×٫۹۷۰۲۰۴) +۶۲۱٫۵۶۹۲ = ۶۳۰٫۹۴۷۸۳، (۳۶۵×٫۹۴۷۸۳) = ۳۴۵٫۹۵ = ۳۴۶ = ۱۲ دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین، تقابلی تقویمی جدول برائے سال ۸ ہجری قمریہ شمسی کے مطابق تاریخ ۱۱ دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین ہے۔ اب اگر قمریہ شمسی محرم کا آغاز مارچ سے کیا جائے تو رمضان کا مہینہ نومبر کے بالمقابل ہوگا۔ حالانکہ غزوہ تبوک موسم گرما میں ہوا تھا لیکن اگر محرم کا آغاز ستمبر سے کیا جائے تو رمضان ٹھیک موسم گرما کے مہینے مئی کے بالمقابل ہوگا پس ثابت ہوا کہ غزوہ تبوک کا رمضان قمریہ شمسی تھا اور مئی کے مقابل تھا۔

(د) مدینہ کے یہودی ۱۰ محرم کا روزہ رکھتے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو ۱۰ محرم کا روزہ رکھنے کا حکم دیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات حاصل ہوئی تھی۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد یہ روزہ فرض تو نہ رہا لیکن مستحب قرار پایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کا محرم یہودیوں کی قمریہ شمسی تقویم کے پہلے مہینے تشری کے بالمقابل ہوا کرتا تھا چند معمولی تغیرات کے ساتھ یہودیوں میں یہ قمریہ شمسی تقویم آج بھی رائج ہے اور ۱۰ تشری کا روزہ ان کے ہاں آج بھی فرض ہے پس عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کا آغاز یہودیوں کی عبرانی تقویم کے طرز پر موسم خزاں سے ہوا کرتا تھا۔

(ح) یہ سطور لکھتے وقت سال ۹ ہجری قمریہ شمسی کے واقعات زیر بحث ہیں۔ ہم نے سال ۱ ہجری قمریہ شمسی سے ۹ ہجری قمریہ شمسی تک جو تقابلی جداول پیش کی ہیں، ان میں محرم قمریہ شمسی کا آغاز یہودیوں کی عبرانی تقویم کی طرز پر موسم خزاں سے کیا ہے اور اسی کے مطابق تمام توقیتی تضادات دور ہوتے چلے آئے ہیں۔ اہل سیر و مغازی کے بعض واقعات کے متعلق موسمی تصریحات ان تقابلی تقویمی جداول کے ٹھیک مطابق بیٹھتی ہیں۔ اگر قمریہ شمسی سال کا آغاز مارچ (موسم بہار) سے کیا جائے تو ان توقیتی تضادات کا دور ہونا تو ایک طرف رہا اہل سیر کی بیان کردہ موسمی تصریحات سے ہرگز مطابقت پیدا نہ ہوگی۔

چونکہ حج ابی بکر صدیق کے ذی الحجہ ۹ ہجری قمری کو ذی قعدہ ۹ ہجری قمریہ شمسی تبھی قرار دینا ممکن ہے جبکہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کا آغاز مارچ سے کیا جائے اور چونکہ یہ آغاز مارچ سے نہیں بلکہ ستمبر سے ہوا کرتا تھا پس مفسرین کے دوسرے قول کی جب بنیاد ہی غلط ٹھہری تو اس قول کے صریحاً غلط ہونے میں

کونسا شبہ باقی رہا؟

مفسرین کا تیسرا قول جسے سب سے بہتر اور معتبر قرار دیا گیا ہے یہ ہے کہ اعلان برأت کے موقع پر مشرکین کو جو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی اس کا آغاز ۱۰ ذی الحجہ ۹ ہجری سے ہوا اور چار ماہ پورے ہونے پر اختتام ربیع الثانی ۱۰ ہجری کو ہوا۔ لیکن اس قول پر سب سے بڑا اور قوی اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ مؤرخین کی تصریحات کے مطابق ربیع الاول ۱۰ ہجری میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر امارت یمن میں ایک سریہ روانہ فرمایا گیا تھا (۸۵) اگر مہلت کی مدت ربیع الثانی میں ختم ہونا تھی تو آپ نے (معاذ اللہ) عجلت سے کام لیتے ہوئے ربیع الاول ۱۰ ہجری میں کیوں سریہ روانہ فرمایا؟ یہاں یہ عذر صحیح نہیں کہ بعض روایات کے مطابق یہ سریہ ربیع الثانی میں بھیجا گیا تھا، کیونکہ سال ۱۰ ہجری میں رمضان کے مہینے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زیر امارت بھی یمن میں ایک سریہ بھیجا گیا تھا (۸۶) اس سلسلے میں حضرات براءؓ کی روایت یوں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث الی الیمن جیشین امّر علیٰ احدھما علیًا و علی الأخر خالداً و قال ان کان القتال فعلیٌّ (۸۷) ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں دو لشکر بھیجے۔ ایک پر علیؓ کو اور دوسرے پر خالدؓ کو امیر مقرر فرمایا اور حکم ہوا کہ اگر جنگ کی نوبت آئے تو علیؓ امیر لشکر ہوں گے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ دونوں سرایا کے مہینے ایک ہی تقویم کے نہیں ہو سکتے ورنہ اگر حضرت خالدؓ کو ربیع الاول میں اور حضرت علیؓ کو کوئی چھ ماہ بعد رمضان میں بھیجا گیا ہو تو دونوں کے لشکروں کا یکجا ہونا کیسے ممکن ہے؟ یہاں ربیع الاول ۱۰ ہجری دراصل قمریہ شمسی تقویم کا ہے اور رمضان ۱۰ ہجری خالص قمری تقویم کا ہے۔ سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی کی تقابلی تقویمی جدول تو اپنے مقام پر آئے گی یہاں اس کا متعلقہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
یکم دسمبر ۶۳۱ء	اتوار	یکم ربیع الاول ۱۰ ہجری	یکم رمضان ۱۰ ہجری	۲۹ نومبر	۰۸،۳۳

چونکہ مفسرین نے عربوں کے دو تقویمی نظام کو نظر انداز کیا اور جنہوں نے اسے تسلیم بھی کیا انہوں نے بزعم خویش قمریہ شمسی محرم کا آغاز خزاں کی بجائے بہار کے مہینے مارچ سے کیا تو ان پر یہ اشکال بہر حال باقی رہا کہ جب مہلت کی مدت ربیع الثانی ۱۰ ہجری تک تھی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول ۱۰ ہجری میں ہی سریہ کیوں روانہ فرما دیا؟ ان تینوں تفسیری اقوال کا حوالہ دیگر اہم عربی تفاسیر میں بھی

موجود ہے(۸۸)

چار مہینوں اور اشہر حُرم کی تعیین کے سلسلے میں متقدمین سے منقول چوتھا قول بھی ہے جسے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں اور ان کی پیروی میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے تفسیر معارف القرآن میں نقل کیا ہے(۸۹) اس قول کے مطابق اس دور کے مشرکین کو چار اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک قسم وہ لوگ تھے جن سے صلح کا معاہدہ ہوا مگر انہوں نے اسے توڑ ڈالا تو یہ لوگ کسی رعایت کے مستحق نہ تھے لیکن چونکہ اشہر حُرم میں قتال ممنوع ہے لہذا حکم ہوا **فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين الآيه** ''حرمت والے مہینے ختم ہونے پر ان مشرکین کو قتل کرو''۔ دوسرے وہ مشرکین تھے جن سے ایک خاص مدت کے لئے معاہدہ ہوا اور وہ اس پر قائم رہے، کسی طرح بھی عہد شکنی نہ کی ان کے متعلق یہ حکم دیا گیا **الا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئا الآية** ''ان لوگوں کے معاہدے کی مدت کو برقرار رکھا جائے گا خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو''۔ تیسرے وہ مشرکین تھے جن سے معاہدہ غیر معینہ مدت کے لئے تھا اور چوتھا گروہ ان مشرکین کا تھا جن سے سرے سے کوئی معاہدہ صلح کا تھا ہی نہیں ان دونوں گروہوں کے متعلق یہ حکم ہوا **فسيحوا في الارض اربعة اشهر الاية** ''زمین میں تم چار مہینے چل پھر لو (پھر اگر تم باز نہ آئے تو تمہاری خیر نہیں)۔

مذکورہ بالا قول بظاہر صحیح دکھائی دینے کے باوجود اپنے اندر چند در چند پیچیدگیاں لئے ہوئے ہے۔ جن لوگوں نے صلح کا معاہدہ توڑ دیا اور جو کسی رعایت کے مستحق نہ تھے ان کے حق میں کونسے اشہر حُرم کا خیال کیا گیا؟ اگر یہ مدت ۱۰ ذی الحجہ ۹ ہجری سے لے کر ۳۰ محرم ۱۰ ہجری تک قرار دی جائے تو جمہور علماء کے نزدیک حرمت والے ان اصطلاحی مہینوں میں قتال نہ کرنا منسوخ ہوگیا تھا اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ خیبر محرم ۸ ہجری میں اور محاصرۂ طائف ذی قعدہ ۸ ہجری میں ہوا تھا اور اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ غزوہ تبوک حج ابی بکر صدیقؓ سے کئی ماہ پہلے ہوا تو غزوہ تبوک کے لئے روانگی بھی حرمت والے مہینے رجب ۹ ہجری میں ہوئی۔ جب مذکورہ دلیل کی بنا پر اشہر حرم میں قتال ممنوع نہیں تو ذی الحجہ ۹ ہجری میں جا کر ان عہد شکن مشرکین کے معاملے میں اشہر حُرم کو کیوں ملحوظ رکھا گیا؟ اگر اشہر حرم سے ۱۰ ذی الحجہ ۹ ہجری سے ربیع الثانی ۱۰ ہجری تک کے چار مہینے مراد ہیں اور انہیں اشہر حُرم اصطلاحی معنیٰ میں نہیں بلکہ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے کہا گیا ہے تو مشرکین کی اس پہلی قسم کا حکم بھی وہی ہوا جو تیسری اور چوتھی قسم والوں کا ہے تو انہیں تیسری اور چوتھی قسم والوں سے علیحدہ ہی کیوں کیا گیا جب کہ سب کا حکم

مشترک ہے؟ نیز تیسری اور چوتھی قسم کے مشرکین کے لئے چار مہینوں کی جو مہلت دی گئی ہے اسے فاذا انسلخ الاشھر الحرم والی آیات کے اشہرِ حُرم قرار دیا جائے تو مزید یہ خرابی لازم آتی ہے کہ تیسری اور چوتھی قسم والوں کے لئے تو اشہر حرم سے اصطلاحی حرمت والے مہینے مراد نہ ہوں بلکہ یہاں لغوی مفہوم مراد ہو، لیکن پہلی قسم والوں کے لئے اشہر حُرم سے حرمت والے اصطلاحی مہینے مراد ہوں۔ نیز چار ماہ کی مدت پر یہ اشکال تو پھر بھی برقرار رہا کہ جب یہ مدت ربیع الثانی ۱۰ ہجری کو ختم ہو رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ پہلے ہی ربیع الاول ۱۰ ہجری میں سریہ کیوں روانہ فرمادیا؟

زیر بحث چار ماہ اور اشہر حرم کی صحیح تعیین:

سورۃ توبہ ہی میں ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَايَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (۹۰) یعنی مشرکین نجس ہیں اس لئے وہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام (یعنی حدود حرم) کے قریب بھی نہ آئیں‘‘۔ عربی تفاسیر میں مفسرین نے یہاں عامهم هذا سے سال ۹ ہجری مراد لیا ہے حالانکہ یہ سال اگر مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے لئے مشترک ہوتا تو بعد عامهم هذا کی بجائے بعد هذا العام جیسے کلمات لائے جاتے۔ عامهم مرکب اضافی ہے اور مضاف الیہ ضمیر هم۔ کا مرجع مشرکین ہیں۔ سال کی مشرکین کی طرف اس اضافت و نسبت سے صاف صاف یہ اشارہ مل رہا ہے کہ چونکہ قمریہ شمسی سال مشرکین کا ہے اور مسلمانوں کا سال تو خالص قمری ہونا چاہئے اس لئے قمریہ شمسی سال کی منسوخی کا وقت قریب آ رہا ہے چنانچہ حجۃ الوداع میں اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اگر حجۃ الوداع میں قمریہ شمسی مہینے اور قمری مہینے یکساں اور یکجا ہو گئے ہوتے تو سال کی نسبت صرف مشرکین کی طرف کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ بعض احادیث سے بھی واضح ہے کہ حج ابی بکر صدیقؓ میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ ۹ ہجری کو جو اعلان برأت مشرکین کے لئے کیا گیا تھا اس میں یہ کلمات بھی تھے ولا یحج هذا البیت بعد عامنا هذا مشرک (۹۱) ’’ہمارے اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کرے گا‘‘ اگر حج ابی بکر صدیق میں مسلمانوں اور مشرکین کا حج اکبر مشترک ہوتا تو اللہ تعالیٰ مشرکین کے لئے سال کی نسبت مشرکین کی طرف نہ کرتا اور نہ ہی مسلمان اپنے سال کی نسبت اپنی طرف کر کے بعد عامنا هذا کہتے بلکہ وہ بھی بعد هذا العام جیسے کلمات استعمال کرتے۔ یہاں اصل حقیقت یہ ہے کہ حج ابی بکر صدیق خالص قمری تقویم کے مطابق ذی الحجہ ۹ ہجری قمری میں ہوا تھا جس کے بالمقابل قمریہ شمسی مہینہ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی تھا جو

مشرکین کے لئے عمرے کا مہینہ تھا اور عمرے کو وہ حج اصغر کہا کرتے تھے (۹۲) اور قمریہ شمسی ذی الحجہ میں مشرکین اپنے حج کو حج اکبر کہا کرتے تھے۔ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو وہ بدترین گناہ اور سنگین ترین جرم تصور کرتے تھے (۹۳) بالفاظ دیگر مسلمانوں کا حج اکبر اور مشرکین کا حج اصغر دونوں جمع ہو گئے تھے۔ متقدمین سے منقول مسلمانوں اور مشرکین کی موافقتِ حج کو غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ سال ۹ ہجری یا ۱۰ ہجری میں قمری اور قمریہ شمسی تقویم دونوں کا ذی الحجہ یکجا ہو گیا تھا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ موافقت مسلمانوں کے حج اکبر اور مشرکین کے حج اصغر میں حج ابی بکر صدیقؓ کے موقع پر ہوئی تھی۔

سورہ توبہ میں اعلانِ برأت کے دن ۱۰ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری کو یوم الحج الاکبر قرار دیا گیا تاکہ مسلمانوں اور مشرکین سب کو معلوم ہو جائے کہ خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ کا حج ہی حج اکبر ہے اور قمریہ شمسی تقویم کی منسوخی کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جو اگلے سال حجۃ الوداع میں علی الاعلان بھی منسوخ کر دی گئی۔ ابوریحان البیرونیؒ کے بقول عربوں میں قمریہ شمسی تقویم ہجرت سے کوئی دو سو برس پہلے سے رائج ہو چکی تھی (۹۴) یوں کوئی دو سو آٹھ سال تک حج قمریہ شمسی تقویم کے ذی الحجہ میں ہوتا چلا آ رہا تھا اور یہ قمریہ شمسی ذی الحجہ اصل قمری ذی الحجہ کے ساتھ کوئی ۳۲ سالوں کے بعد جا کر ملتا تھا۔ پھر کبیسہ (نسی کے مہینوں) کی وجہ سے اپنے اصل وقت اور مقام سے ٹل جاتا تھا۔ چونکہ ایک طویل عرصے کے بعد حج ابی بکر صدیقؓ خالص قمری تقویم کے مطابق قمری ذی الحجہ میں ہو رہا تھا اور چونکہ اس ذی الحجہ کے بالمقابل حسن اتفاق سے قمریہ شمسی مہینہ مشرکین کے حج اصغر (عمرے) کا رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی تھا لہذا عمرے کے لئے مشرکین کا بیت اللہ پہنچنا تو ویسے ہی ناگزیر تھا۔ عمرے میں منیٰ میں قیام اور عرفات میں وقوف نہیں ہوتا لیکن دو سو سالوں کے بعد خالص قمری تقویم میں مسلمانوں کے حج کو دیکھنے کے لئے مشرکین کا فطری تجسس زبردست محرک ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود سب کے سب مشرکین عرفات میں نہیں گئے تھے، چنانچہ ابن کثیرؒ نے بروایت ابن جریر طبری حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے وعلمت انّ اهل الجمع لم یکونوا حضوراً کلّهم خطبة ابی بکر رضی الله عنه یوم عرفة، فطفت اتّبع بها الفساطیط اقرأها علیهم (۹۵) ''مجھے یہ معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ کے یوم عرفہ کے خطبے کے دن سب کے سب لوگ وہاں موجود نہ تھے اس لئے میں خیمہ بہ خیمہ اور گلی بہ گلی گھومتا رہا اور آیات برأت ان لوگوں کو پڑھ کر سناتا رہا''۔

اب ہم ذی الحجہ ۹ ہجری قمری سے لے کر ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری تک کی تقابلی تقویمی جدول پیش

کر رہے ہیں تا کہ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں مذکور چار مہینوں اور اشہر حُرُم کا ٹھیک تعیّن کیا جا سکے جس پر کسی طرح کا بھی کوئی اشکال قطعاً وارد نہ ہو سکے۔

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۱ مارچ ۶۳۱ء	سوموار	یکم رجب ۹ ہجری	یکم ذی الحجہ ۹ ہجری	۸ مارچ	۲۱:۴۸
۱۹ اپریل	منگل	یکم شعبان	یکم محرم ۱۰ ہجری	۷ اپریل	۱۴:۳۸
۹ مئی	جمعرات	یکم رمضان	یکم صفر	۷ مئی	۰۵:۵۰
۷ جون	جمعہ	یکم شوال	یکم ربیع الاول	۵ جون	۱۹:۰۸
۷ جولائی	اتوار	یکم ذی قعدہ	یکم ربیع الثانی	۵ جولائی	۰۶:۴۷
۵ اگست	سوموار	یکم ذی الحجہ	یکم جمادی الاولیٰ	۳ اگست	۱۷:۱۲
۴ ستمبر	بدھ	یکم محرم ۱۰ ہجری	یکم جمادی الاخریٰ	۲ ستمبر	۰۲:۵۰
۱۳ اکتوبر	جمعرات	یکم محرم الثانی (کبیسہ)	یکم رجب	یکم اکتوبر	۱۲:۱۴
۲ نومبر ۶۳۱ء	ہفتہ	یکم صفر ۱۰ ہجری	یکم شعبان ۱۰ ہجری	۳۰ اکتوبر	۲۱:۵۷
یکم دسمبر	اتوار	یکم ربیع الاول	یکم رمضان	۲۹ نومبر	۰۸:۳۳
۳۱ دسمبر	منگل	یکم ربیع الثانی	یکم شوال	۲۸ دسمبر	۲۰:۳۶
۲۹ جنوری ۶۳۲ء	بدھ	یکم جمادی الاولیٰ	یکم ذی قعدہ	۲۷ جنوری	۰۹:۴۳

۲۷فروری ۶۳۲ء(مکی رویت)	جمعرات	نسی وقمریہ شمسی منسوخ بموٴرخہ ۱۰جمادی الاخریٰ(یوم النحر)	یکم ذی الحجہ نسی وقمریہ شمسی منسوخ بموٴرخہ ۱۰ذی الحجہ(یوم النحر)	۲۶فروری	۰۶:۰۰

قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے کہ **بعد عامھم ھذا** میں عام (سال) سے مراد مشرکین کا قمریہ شمسی سال ہے پس انہیں جو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی وہ ان کی قمریہ شمسی کے اعتبار سے تھی حج ابی بکر صدیقؓ کے یوم النحر ۱۰ذی الحجہ ۹ ہجری کے بالمقابل قمریہ شمسی تاریخ ۱۰رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی تھی یوں چار ماہ کی یہ مدت ۱۰رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی سے شروع ہو کر ذی قعدہ ۹ ہجری قمریہ شمسی پر ختم ہوتی ہے، لیکن ذی قعدہ، ذی الحجہ ۹ ہجری قمریہ شمسی اور محرم ۱۰ہجری قمریہ شمسی مشرکین کی تقویم کے اعتبار سے اشہرِ حُرم تھے۔ سورہ توبہ میں چونکہ **بعد عامھم ھذا** کے کلمات سے مشرکین کے قمریہ شمسی سال کا حوالہ دیا گیا ہے لہٰذا اشہرحرم انہی کے قمریہ شمسی سال کے مراد ہیں۔ ۹ذی قعدہ ۹ہجری قمریہ شمسی کے بعد مشرکین کے خلاف قتال ۱۰ذی قعدہ ۹ ہجری قمریہ شمسی سے فی نفسہ جائز ہو گیا تھا تاکہ وہ اگلے مہینے ذی الحجہ ۹ ہجری قمریہ شمسی میں اپنے جاہلیت کے طریقے پر حج کرنے کی جسارت نہ کر بیٹھیں۔ قمریہ شمسی تقویم کے مطابق آخری حج ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی میں زیرِ امارت حضرت عتاب بن اسید والی مکہ، فتح مکہ کے بعد ہوا تھا۔ اب سال ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زیرِ امارت خالص قمری تقویم میں حج ہوا اور ذی الحجہ ۹ ہجری قمریہ شمسی میں مشرکین کو حج سے روکنے کے لئے انہیں ۱۰ذی قعدہ ۹ ہجری قمریہ شمسی سے اس لحاظ سے مباح الدم کر دیا گیا کہ اگر وہ حج سے باز نہ آئیں تو فوراً ہی ان کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی جائے ورنہ مشرکین کے اشہرِ حُرم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے فی الحال اعراض کیا جائے۔ مشرکین کو قمریہ شمسی ذی الحجہ میں حج سے روکنے کا دوسرا بندوبست یہ کیا گیا کہ سیدنا حضرت علیؓ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور دیگر اصحاب کے ہمراہ جو اعلان برأت کیا تھا اس اعلان کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ ہمارے اس سال (بعد عامنا ھذا) کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کرے گا۔ یہاں مسلمانوں نے بعد عامنا ھذا کے کلمات سے سال کی نسبت اپنی طرف کی جس سے خالص قمری سال مراد ہے کیونکہ حج ابی بکر صدیقؓ خالص قمری تقویم کے مطابق ہوا تھا اس اعلان کے بموجب یکم محرم ۱۰ہجری قمری سے ہی قریش مکہ کو حج سے روک دیا گیا۔ محرم ۱۰ہجری قمری کے بالمقابل قمریہ شمسی مہینہ

شعبان ۹ ہجری قمر یہ شمسی تھا اور قمر یہ شمسی حج چار ماہ پورے ہونے پر ٹھیک پانچویں مہینے ذی الحجہ ۹ ہجری قمر یہ شمسی میں آ رہا تھا یوں چار ماہ پورے ہونے پر مشرکین اس لئے مباح الدم کر دیئے گئے کہ وہ حج نہ کریں تو مشرکین کے اشہر حرم کا خیال کرتے ہوئے انہیں مزید مہلت مل جائے گی ورنہ وہ فوراً نہ تیغ کر دیئے جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان بھی ہو گیا کہ مشرکین نجس ہیں لہذا وہ (بعد عامھم ہذا) اپنے اس (قمر یہ شمسی) سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں، یعنی یکم محرم ۱۰ ہجری قمر یہ شمسی سے وہ حدود حرم میں داخلے کے بھی مجاز نہیں رہے اور نہ ہی وہ وہاں رہ سکتے ہیں۔ مشرکین کی قمر یہ شمسی تقویم کے اشہر حرم ۳۰ محرم ۱۰ ہجری قمر یہ شمسی بمطابق ۳۰ رجب ۱۰ ہجری قمری بمطابق یکم نومبر ۶۳۱ عیسوی جیولین بروز جمعۃ المبارک ختم ہو گئے اب بظاہر ان کے خلاف قتال میں کوئی امر مانع نہ رہا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے قمر یہ شمسی مہینے محرم الثانی (کبیسہ) ۱۰ ہجری قمر یہ شمسی اور اس سے اگلے مہینے صفر ۱۰ ہجری قمر یہ شمسی میں بھی مشرکین سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ جب رجب ۹ ہجری قمر یہ شمسی سے صفر ۱۰ ہجری قمر یہ شمسی تک ٹھیک نو مہینے پورے ہو گئے تو بنوضمرہ اور بنومدلج سے بھی امن کے معاہدے کی مدت جو نو ماہ باقی رہ گئی تھی، ختم ہو گئی اور سب مشرکین اب ایک ہی سطح پر آ گئے۔ اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول ۱۰ ہجری قمر یہ شمسی بمطابق رمضان ۱۰ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین میں یمن کی جانب حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت علیؓ کی زیر امارت دو سرایا بھیجے ان سرایا کا مقصد تبلیغ و دعوتِ اسلام تھا لیکن بہر حال لڑائی کا بھی خدشہ تھا لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اگر جنگ ہو تو فوج کی کمان حضرت علیؓ سنبھالیں گے۔ ان دونوں سرایا کا ایک ہی مہینہ ہے۔ اہل سیر نے سریہ خالدؓ بن ولید کی توقیت قمر یہ شمسی میں اور سریہ علیؓ بن ابی طالب کی توقیت خالص قمری توقیت میں کر دی۔

اشہری حرم میں قتال:

اشہر حرم میں قتال نہ کرنا کبھی بھی اس معنیٰ میں منسوخ نہیں ہوا کہ قتال کی ممانعت کا ارتفاع (Withdraw) ہوا ہو۔ متقدمین اور متاخرین کے ہاں نسخ کے معانی میں جو فرق ہے اسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں واضح فرمایا ہے۔ نسخ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ کوئی حکم یا مضمون سرے سے واپس لے لیا جائے۔ دوسرا مفہوم حکم کی تبدیلی (Substitution) ہے کہ ایک حکم کی بجائے دوسرا حکم لایا جائے۔ سورہ بقرہ میں ہے مَا نَنسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ (۹۶)

''جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں''۔ اس آیت میں نسخ کی یہی صورت مراد ہے ورنہ نسخ کی ہر صورت کے لئے ہرگز لازم نہیں کہ ناسخ آیات بھی قرآن کریم میں موجود ہوں۔ منکرینِ نسخ اور روافض وغیرہ کے اس طرح کے شبہات اور اعتراضات لغو اور باطل ہیں۔

اگر کوئی حکم عام ہو پھر اس میں تخصیص (Specification) کردی جائے یا کوئی حکم مطلق (indefinite) ہو اسے مقید ومحدود کر دیا جائے تو اس تخصیص اور اس تقیید وتحدید (limi tation) پر بھی متقدمین نسخ کا اطلاق کر دیتے تھے۔ اگر خارجی وجوہ کی بنا پر کسی حکم پر عمل معطل اور موقوف ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس تعطّل (Suspension) پر بھی نسخ کا اطلاق نہ کیا جائے۔ عربوں کے قبولِ اسلام کے بعد دنیا میں سوائے مسلمانوں کے ہمارے علم ویقین کے مطابق کوئی قوم بھی ایسی نہیں جو خالص قمری تقویم کو استعمال میں لاتی ہو۔ یہودیوں کی اور تبت کے لاماؤں وغیرہ کی مذہبی تقاویم قمریہ شمسی ہیں۔ ہندوؤں کی بھی ایک تقویم قمریہ شمسی ہے اور سال کے بارہ قمری مہینوں میں بعض سالوں میں کبیسہ کا جو تیرہواں مہینہ ڈالا جاتا ہے اسے وہ ''لوند'' کہتے ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنے حواشی قرآن میں نسی کی آیت کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ لوند کا مہینہ ڈالنے کی رسم ''نسی'' میں داخل نہیں (۹۷) غالبًا شیخ الاسلامؒ کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ہندوؤںؒ کی قمریہ شمسی تقویم کو دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا ممنوعہ نسی میں داخل نہیں ورنہ حقیقت کے اعتبار سے لوند اور نسی میں کوئی فرق نہیں۔ عربوں کی نسی کو کفر (کے کاموں) میں اضافہ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ نسی والی اس قمریہ شمسی تقویم کو دینی مقاصد جو عمرہ غیرہ کے لئے استعمال کر کے اصل دینی (قمری) تقویم میں تحریف کے مرتکب تھے اور حج کے اصل مہینوں کو انکی اصل جگہ سے سالہا سال کے لئے ہٹا دیتے تھے۔ قمریہ شمسی تقویم استعمال کرنے والوں میں دور حاضر میں کوئی بھی اشہر حُرم کا قائل نہیں۔ ادھر قرآنی ضابطہ یہ ہے والحُرمٰت قصاص (۹۸) یعنی ''حرمتیں ادلے بدلے کی چیزیں ہیں''۔ دشمن ہمارا احترام کرے گا تو ہم بھی کریں گے ورنہ نہیں۔ چونکہ غیر مسلموں میں اشہر حُرم کا کوئی تصور رہا ہی نہیں لہذا اشہر حُرم میں قتال کے ممنوع ہونے کا حکم معطل وموقوف ہو کر رہ گیا اسی کو منسوخ کا عنوان دے دیا گیا۔ آج اگر کوئی قوم دوطرفہ معاملات میں ان اشہر حُرم کی حرمت کا احترام کرنے لگے تو اہل اسلام بھی ان کے احترام کے پھر سے پابند ہو جائیں گے، اس تعطّل کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ سورہ توبہ میں مصارف زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کو بھی شامل کیا گیا ہے کہ نومسلموں کی تالیف قلب (دلجوئی) کے لئے انہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے زکوٰۃ کی اس مدّ کو اس بنا پر بند کر دیا کہ اب اللہ تعالیٰ

نے اسلام کو عزت اور غلبہ دیا ہے اب ہمیں قطعاً اس کی ضرورت نہیں رہی کہ ہم زکوٰۃ کے اموال سے نو مسلموں کی دل جوئی کرتے پھریں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے اس انتہائی دانش مندانہ اقدام کے مصالح پر بعض کوتاہ بین حضرات مطلع نہ ہو سکے اگر حضرت عمرؓ ایسا نہ کرتے اور صحابہ کرامؓ اجماع سکوتی سے ان کی تائید نہ کرتے تو آج مخالفین یہ جھوٹا پروپیگنڈا تو کرتے ہی رہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ انہیں مزید یہ کہنے کا بھی موقع مل جاتا کہ اسلام نومسلموں میں آٹا، کپڑا اور گھی کے ڈبے تقسیم کرنے سے پھلا پھولا ہے جیسے عرصہ دراز سے عیسائی مشنریاں دیگر ترغیبات کے علاوہ ان طریقوں سے بھی عیسائیت کو پھیلانے میں ہر دم کوشاں رہتی ہیں۔ تاہم تالیفِ قلب کے لئے اموال زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم بالکل ختم ہو کر نہیں رہ گیا بلکہ معطل و موقوف کے معنیٰ میں منسوخ سمجھا جاتا ہے ورنہ اگر اہل علم کسی وقت ضرورت محسوس کریں کہ اس مد پر زکوٰۃ صرف کرنے کے حالات پھر سے پیدا ہو گئے ہیں تو اجماع یا کثرت رائے سے یہ مدّ بحال ہو سکتی ہے۔ اس تعطل کی ایک اور مثال یہ ہے کہ اب بین الاقوامی سطح پر اقوام متحدہ نے جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے سے اقوامِ عالم کو روک رکھا ہے اور مسلمان ممالک بھی اس معاہدے میں شریک ہیں، لہذا غلاموں اور لونڈیوں کا یہ معاملہ معطل و موقوف ہو گیا ہے یہ نہیں کہ ان کے احکام ہی سرے سے ختم ہو گئے ہیں اگر خارجی حالات خدانخواستہ حسب سابق ہو جائیں اور غیر مسلموں میں غلام اور لونڈیاں بنانے کا سلسلہ چل پڑے تو مسلمان یک طرفہ طور پر اس سے نہیں رک سکتے ان میں بھی یہ عمل دوبارہ شروع ہو جائے گا۔

اشہر حرم میں قتال نے کرنے کی منسوخی پر غزوہ خیبر اور غزوہ طائف سے استدلال درست نہیں۔ یہودیوں کی عبرانی تقویم کے بالمقابل عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے اشہر حُرم کو یہودی اپنے مذہب کے اعتبار سے تسلیم ہی نہیں کرتے اس لئے والحُرُمٰت قصاص کے تحت ان کے خلاف قتال میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ غزوہ طائف میں مشرکین کے قلعے کا محاصرہ اول تو شوال میں شروع ہوا تھا جو ذی قعدہ تک جا پہنچا دوسرے ان مشرکین نے مسلمانوں پر حملے کا پہلے سے ارادہ کر رکھا تھا اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شوال ۸ ہجری میں غزوہ حنین اور پھر غزوہ طائف کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ غزوۂ تبوک میں معاملہ رومی حکومت سے تھا جو عیسائی مملکت تھی عیسائیوں میں بھی اشہر حُرم کا کوئی تصور نہ تھا لہذا اصول والحرمات قصاص کے تحت انکے خلاف لشکر کشی درست تھی اور یہ اقدام بھی اس وقت کیا گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قیصر روم نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے تبوک کے مقام پر افواج جمع کر رکھی

ہیں اور فوجیوں کو سال بھر کی تنخواہیں پیشگی ادا کر کے انہیں مطمئن کر رکھا ہے تا کہ وہ پوری دل جمعی سے مسلمانوں کے خلاف لڑسکیں۔ حج ابی بکر صدیقؓ میں بعض روایات کے مطابق سورہ توبہ کی ابتدائی چالیس آیات کی تلاوت کی گئی تھی، ان میں نسی کی مذمت والی آیت بھی شامل ہے، لیکن نسی کی علی الاعلان اور باقاعدہ تنسیخ حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی یہی وجہ ہے کہ حج ابی بکر صدیقؓ کے بعد بھی غزوہ تبوک، سریہ خالدؓ بن ولید بجانب یمن اور وفات حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں ہوئی۔ یہاں یہ شبہہ نہیں ہونا چاہئے کہ جب امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں ایک یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ امت کبھی بھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی تو مفسرین حضرات سے خصوصاً اور دیگر اہل علم حضرات سے عموماً سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں مذکورہ چار مہینوں اور اشہر حُرم کی تعیین میں کس طرح تسامح ہوا؟ یہاں حدیث میں گمراہی سے مراد دینی گمراہی ہے۔ علمِ تاریخ اور تاریخی جزئیات نہ تو دین کا حصہ ہیں اور نہ دین کے مآخذ میں شامل ہیں۔ دین وشریعت کے مآخذ اربعہ قرآن سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ علم سیرۃ النبیؐ اور خلفاء راشدینؓ کی تاریخ کو دینی علوم میں اس لئے شامل کیا جاتا ہے کہ سیرۃ النبی ﷺ میں بہت سی تاریخی جزئیات قرآن وسنت ہی سے ماخوذ ہیں پھر اس میں صرف تاریخی واقعات وحوادث ہی سے بحث نہیں ہوتی بلکہ اکثر وبیشتر اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل واخلاق اور آپ ﷺ کے متعلقہ اقوال وافعال کو بھی زیر بحث لایا جاتا ہے بلکہ علم العقائد (کلامیات) کو بھی اب علومِ سیرت سے مربوط کیا جانے لگا ہے۔ اسی طرح خلفاء راشدین کی تاریخ میں خلفاء راشدینؓ کے وہ خاص اقوال و افعال بھی زیر بحث لائے جاتے ہیں جن کا قرآن وسنت کی توضیح وتشریح اور افہام وتفہیم سے تعلق ہے ورنہ تاریخ بذاتِ خود دین کو سمجھنے میں مفید ومعاون تو ہوسکتی ہے، دین میں شامل نہیں ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے سائنسی و مادی علوم دین کے سمجھنے میں یقیناً مفید ومعاون ہیں۔ قرآن کریم میں توحید اور آخرت پر دلائل کے ضمن میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات اور دن کے آنے جانے، ہواؤں اور بادلوں کے اٹھنے، بارش کے برسنے اور بنجر زمین کے دوبارہ زرخیز ہونے، دریاؤں اور سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کے چلنے، زمین میں طرح طرح کے پودوں اور درختوں کے اگنے اور لاتعداد انواع کے حیوانات کے پیدا ہونے وغیرہ کو جا بجا بطور دلیل لایا گیا ہے حالانکہ یہ مادی علوم بالاتفاق دین کا حصہ نہیں ہیں۔ اگر ان مادی علوم میں کسی غلط جزئیے پر پوری امت متفق ہوجائے یا کسی دور میں متفق رہی ہو تو اس سے دینی ضرر لازم نہیں آتا۔ مثلاً بسیط عناصر کی تعداد اب کوئی ۱۱۰ کے قریب معلوم ہو چکی ہے لیکن قرون وسطیٰ کی عناصر اربعہ

(آگ، پانی مٹی، اور ہوا) کی اصطلاح سائنسی علوم سے نابلد حضرات میں اب تک چلی آ رہی ہے۔ اس طرح کے غلط سائنسی نظریات دین کے لئے مضر اس وقت ہوتے ہیں جب انہیں ناحق دین میں داخل کر لیا جائے یہی وجہ ہے کہ اہل حق ہمیشہ متنبہ کرتے چلے آئے ہیں کہ سائنسی نظریات کا قرآن وسنت کی تشریح و توضیح میں بلا امتیاز حوالہ نہ دیا جائے کیونکہ یہ نظریات آئے دن نئی تحقیق کی روشنی میں بدلتے رہتے ہیں اور بسا اوقات نئی تحقیق بھی ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ یقین قطعی اس سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً قوانین فطرت کے اٹل اور ناقابل تغیر ہونے کے پرانے غلط نظریے کی بنا پر بعض نام نہاد روشن خیال لوگوں نے معجزات و کرامات کا انکار کر دیا لیکن اب اس پرانے نظریے کی جگہ اصول لاتعیینیت (Principle of Uncertainty) نے لے لی ہے۔ اسی طرح اگر سب لوگ کسی غلط تاریخی جزیئے پر متفق بھی ہو جائیں تو اس سے دینی ضرر تب لازم آئے گا جب اسے دین کا حصہ بنا لیا جائے یا اسے قرآن وسنت کے مقابلے اور معارضے میں لایا جائے۔ یہود و نصاریٰ ایک وقت میں اس غلط تاریخی جزیئے پر متفق ہو گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی۔ بات یہیں تک رہتی تو چنداں حرج نہ تھا لیکن اس پر عقیدہ کفارہ اور عقیدہ تثلیث وغیرہ مشرکانہ عقائد کی بنیاد رکھی گئی اور اس تاریخی جزیئے کو دین میں داخل کر دیا گیا تو قرآن کریم نے اس کا ابطال کیا۔ اگر مفسرین ومؤرخین محولہ بالا چار ماہ اور اشہر حرم کا صحیح تعین نہ کر سکے تو اول تو کسی ایک غلط بات پر وہ متفق نہیں ہوئے ورنہ ان مہینوں کی تعیین کے سلسلے میں تفسیری اقوال میں اختلاف ہی کیوں واقع ہوتا؟ دوسرے ان چیزوں کا تعلق دراصل تاریخی جزئیات سے ہے دین سے ہرگز نہیں۔ پوری امت اس پر متفق ہے کہ رسم نسی باطل ہے۔ قمری سال کے بارہ مہینے ہی ہوتے ہیں اور دین کا بھی صرف یہی مطالبہ ہے۔ جہاں تک صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے انہیں ان چار مہینوں اور اشہر حرم کا بخوبی علم تھا۔ تاریخی جزئیات کے سمجھنے میں غلطی بعد والوں کی ہے۔ اس سے تو اہل حق کے اس صحیح موقف کو مزید تقویت ملی کہ دین کا ماخذ اول کتاب اللہ ہے اور یہی وہ حبل اللہ (اللہ کی رسی) ہے جسے مضبوطی سے تھامنے اور اولیت دینے سے ہر طرح کی مذموم فرقہ واریت اپنی موت آپ مر جاتی ہے۔ دینی عقائد کا ماخذ تاریخ تو ایک طرف رہی ظنی احادیث بھی عقائد کا ماخذ نہیں۔ عقیدہ قرآن کریم سے یا متواتر احادیث ہی سے لیا جائے گا، (مثلاً) صحابہ کرامؓ کے مقام ومرتبہ کا تعین قرآن کریم سے ہوگا۔ تاریخ سے یہاں مدد تو لی جا سکتی ہے لیکن اسے قرآن پر مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی اسے قرآن کریم کی قطعی الدلالہ اور محکم آیات کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہے۔ غلط تاریخی جزیئے کی ایک مثال یہ سمجھ لینا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ولادت باسعادت کا قمری مہینہ ربیع الاول ہے حالانکہ ربیع الاول کی فضیلت میں ہمارے علم کے مطابق کوئی موضوع روایت تک بھی نہیں اور ہم نے مقالہ ہذا کی دوسری قسط میں ''سعادات'' کے عنوان کے تحت بحمد اللہ ناقابل تردید اور قطعی یقینی دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا اصل قمری مہینہ رمضان المبارک ہے۔ اور زبیر بن بکّار جیسے ثقہ و پرہیزگار ماہر انساب کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ رمضان المبارک قرار دینا بالکل درست ہے جسے دور جاہلیت سے چلی آ رہی عربوں کی دو تقاویم کو کما حقہ نہ سمجھنے یا اسے نظر انداز کر دینے کی بنا پر قول شاذ قرار دے کر طاق نسیان کی نذر کر دیا گیا۔ اس خالص قمری رمضان کے بالمقابل اُس دور کی ملی قمریہ شمسی (نسی والی) تقویم کا مہینہ ربیع الاول تھا وہی مشہور ہو گیا۔ جی ہاں! وہی نسی والی تقویم جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیشہ کے لئے منسوخ فرمایا وہی نسی جسے قرآن کریم نے کفر (کے کاموں) میں اضافہ قرار دیا۔ اس غلط تاریخی جزیئے کو اپنے مقام تک رہنے دیا جاتا تو اس سے دینی ضرر لازم نہ آتا۔ لیکن جب اسے دینی مسئلہ بنا کر ربیع الاول میں عید تک منائی جانے لگی اور اس امر کو بھی نظر انداز کر دیا گیا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نسی والی تقویم کی منسوخی کے بعد صرف ایک ہی تقویم یعنی خالص قمری تقویم ہی باقی رہ گئی تھی تو آپ ﷺ کا وصال مبارک یقیناً ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری میں ہوا ہے جب کہ ولادت باسعادت کے مہینے رمضان کو کوئی تسلیم کرنے سے ناحق انکار پر قائم بھی رہے تو بھی آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ربیع الاول ہونا خود مفسرین اور اہل سیر و مغازی کی بعض تصریحات کی روشنی میں مشکوک ٹھہرتا ہے جیسا کہ ہم آئندہ نسی کے عنوان کے تحت وضاحت کریں گے۔ چنانچہ اہل حق نے ان بدعات و محدثات کا دلائلِ شرعیہ کی رو سے تعاقب جاری رکھا لیکن نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ خود اہل حق بھی گو اعتقاداً نہ سہی لیکن بظاہر عملاً سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف عنوانات و موضوعات پر اظہار خیال کے لئے ربیع الاول کی تخصیص کو بزبانِ حال ''مقدس'' قرار دینے لگے اور عالم اسلام میں حکومتی سطح پر بھی اس رجحان کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی ہونے لگی تو شدید ضرورت تھی کہ مذکورہ تاریخی جزیئے کا غلط ہونا دلائلِ قاطعہ اور براہینِ ساطعہ سے واضح کر کے اہل علم پر خصوصاً اور عوام پر عموماً حجت پوری کر دی جائے، لیکن اگر اس کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ولادت باسعادت اور وصال مبارک کی توقیت ہی کو زیر بحث لایا جاتا تو متذبذب حضرات کا شک رفع نہ ہوتا اس لئے ہم نے سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حتی الامکان تقریباً سب کے سب واقعات، غزوات و سرایا وغیرہ کی توقیت کو بحمد اللہ ہر طرح کی آلائش اور فکری

اغلاط سے پاک وصاف کردیا ہے۔ ہر مکتب فکر کے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں افراد ایسے بھی ہیں جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ریاضی پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ہم علیٰ وجہ البصیرۃ انتہائی شرح صدر سے کہتے ہیں کہ معدودے چند واقعات کے سوا ان توقیتی مباحث میں اختلافِ رائے کی گنجائش ہم نے یا تو بالکل چھوڑی ہی نہیں یا اسے کم سے کم ضرور کردیا ہے **الحمد للہ الذی ھدانا لھذا و ماکنالنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ** البتہ بیجا تعصب اور ضد لاعلاج امراض ہیں خواہ انہیں غلطی سے ''عزیمت واستقامت'' سمجھ لیا جائے۔

نسی کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ:

متاخرین حضرات میں خصوصاً اور متقدمین کے ہاں عموماً نسی کے متعلق یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اس کا اصل محرک عربوں کی باہم خانہ جنگی تھی مثلاً مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں ''جب کسی زورآور قبیلے کو ماہ محرم میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک سردار یہ اعلان کردیتا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حُرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو ماہ حرام قرار دے دیا ہے'' (۹۹) مفتی محمد شفیعؒ صاحب تحریر فرماتے ہیں ''اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے لڑتے دس مہینے لگ گئے اور سال کے صرف دو مہینے باقی رہ گئے تو ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے اور کہتے کہ اب کے برس چودہ مہینوں کا ہوگا اس طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشہر حُرم بنا لیتے تھے'' (۱۰۰) یہی بات بعض مشہور عربی تفاسیر میں بھی کہی گئی ہے (۱۰۱) یہاں درج ذیل نکات توجہ طلب ہیں:

(الف) جنگ کی حیثیت مثلاً کبڈی کے کھیل کی طرح نہیں کہ تفریح طبع کے لئے فریقین جب چاہیں اسے شروع کردیں اور جب چاہیں بند کردیں۔ خود مفسرین کی تصریحات کے مطابق عرب لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی اشہر حرم کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ باوجود قدرت وغلبہ کے اپنے باپ کے قاتل کو بھی قتل نہیں کرتے تھے (۱۰۲) تو یہ کیسے فرض کرلیا گیا کہ ان کے ہاں نسی کا کوئی مربوط نظام نہ تھا بلکہ جس کا جی چاہتا اپنی مرضی سے اشہر حرم کا تعین کرلیتا تھا؟ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو کون عقل مند یہ تسلیم کرے گا کہ وہ واقعی اشہر حُرم کا احترام کرتے تھے؟ حرمت والے مہینے کو عمداً حلال ٹھہرا لینا اور حلال مہینے کو عمداً حرام قرار دے ڈالنا اشہر حُرم کا احترام ہے یا بدترین توہین ہے؟ (ب) اگر اس مفروضے کو صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ عرب بعض سالوں کے تیرہ بلکہ چودہ مہینے بغیر کسی منظم تقویم کے از خود کرلیتے تھے تو یہ معلوم کرنا قطعاً محال ہوگا کہ دور رسالت کے کون کون سے سالوں میں سال تیرہ اور چودہ مہینوں کے بنائے گئے تھے؟ یوں

غزوات وسرایا کی توقیت سراسر بے معنی ہو کر رہ جائے گی تو سیرت نگاروں نے اس کا تکلف ہی کیوں کیا؟ اس کا یہ جواب کافی اور تسلی بخش نہیں ہوسکتا کہ مسلمان نسی والی تقویم پر عمل پیرا نہیں تھے ورنہ توقیتی تضادات کا مسئلہ ہی نہ پیدا ہوتا۔ مسلمانوں میں صرف خالص قمری تقویم چل رہی ہوتی تو مثلاً غزوہ حنین کا شوال ۸ ہجری جنوری ۶۳۰ عیسوی جیولین میں آتا۔ حالانکہ اہل سیر نے لکھا ہے کہ غزوہ حنین کے لئے روانگی کا دن شدید ترین گرم تھا اور مسلمان مجاہدین درختوں کے سایوں کے نیچے پناہ لینے پر مجبور تھے (۱۰۳) اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

(ج) اگر عربوں کی نسی والی تقویم کسی اصول اور قاعدے پر مبنی نہ تھی بلکہ روز افزوں خانہ جنگی میں وہ قمری مہینوں کو ادھر ادھر کر ڈالتے تھے تو سیرت نگاروں سے منقول توقیتی تضادات کو دور کرنا محال ہوتا حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ عربوں کی نسی والی تقویم کو یہودیوں کی عبرانی تقویم سے ہم آہنگ کرنے پر یہ تضادات بطریق احسن دور ہو جاتے ہیں اور ہم انہیں دور کرتے چلے آرہے ہیں۔

(د) اگر عربوں کی نسی والی تقویم اتنی ہی بے ڈھنگ اور غیر مربوط تھی تو اہل علم حضرات نے یہ کیسے یقین کرلیا کہ مثلاً جس ربیع الاول میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی تھی وہ ٹھیک اپنے مقام پر صحیح ربیع الاول تھا اور کسی دوسرے مہینے کی جگہ لئے ہوئے نہیں تھا؟ فرض کیجئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سالِ ولادت سے پہلے والے سال کے عربوں کے جنگجو قبائل نے چودہ مہینے کر لئے ہوں تو سال ولادت کا ربیع الاول تو جمادی الاخرائی کی جگہ پر آجائے گا۔ بے شک محض مفروضات سے حقائق ثابت نہیں ہوتے اور نہ ہی محض امکانِ وقوع سے کسی چیز کا حقیقی وقوع ثابت ہوتا ہے لیکن یہ قاعدہ تو عقلاً مسلّم ہے ''اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال'' کہ جہاں کسی معاملے میں احتمال نے سر اٹھایا تو استدلال سرے سے باطل ہو جائے گا اور یہی اصول نقلاً بھی مسلم ہے قرآن کریم میں ہے **ولا تقف ما لیس لک به علم انّ السمع و البصر و الفواد کل اولئک کان عنه مسئولا** (۱۰۴) ''اور تجھے جس بات کا یقین نہیں اسکے درپے مت ہو، بے شک کان، آنکھ اور دل سب کے متعلق (تجھ سے) سوال ہوگا''۔ خبر صادق کے بعد یقین وعلم کے ذرائع حواس سلیمہ اور عقل ہیں۔ حواس سلیمہ میں سب سے زیادہ کام آنے والے حواس سماعت و بصارت کے حواس ہیں بلکہ خبر صادق کا تعلق بھی حس سمع سے ہے۔ اسی طرح حواس کی مدد کے بغیر عقلی ادراک سے بھی علم حاصل ہوسکتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر خبر صادق تمہیں حاصل نہ ہوسکی ہو اور عقل وحواس کے ذریعہ کسی معاملے میں یقین حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو ظنسنیات کو عقیدہ

بنالینا یا ان کو یقین کا درجہ دے کر لوگوں میں فساد اور اختلاف برپا کردینا بجائے خود بڑا جرم ہے۔ قرآن نے عقل کا منبع دل کو قرار دیا ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ خبر صادق کی عدم موجودگی میں سب سے زیادہ کام آنے والے حواسِ سماعت و بصارت کی بنا پر یا محض عقل کی بناء پر کسی بات کو یقین کا درجہ ناحق دینا قابل مؤاخذہ گناہ ہے تم سے کانوں، آنکھوں اور دل (عقل) کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ ان اسبابِ علم سے اگر صحیح علم (یقین) حاصل نہیں ہوسکا تو تم نے ظنیات کو کیوں یقینیات قرار دیا تھا؟ اب جب خود مفسرین حضرات یہ تسلیم کررہے ہیں کہ عرب اپنے سال کے بارہ کی بجائے تیرہ اور چودہ مہینے بھی کرلیتے تھے تو یہ امر قطعاً مشکوک و مشتبہ ہوکر رہ گیا کہ جس سیّئہ ربیع الاول میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی وہ ربیع الاول واقعی اپنے اصل مقام پر تھا تو ربیع الاول میں یہ عید کیسی؟ اور دھوم دھام کا کیا معنیٰ ہے؟ کیا مذکورہ بالا قرآنی آیت کا یہاں اطلاق نہیں ہوتا؟ بلکہ مفسرین کی مذکورہ بالا تصریحات کو درست سمجھنے پر تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے صحیح قمری مہینے کا تعین سرے سے محال ہونا چاہئے۔

(ھ) اس ناقابل اعتبار اور غیر مربوط تقویم سے مفسرین نے کیسے سمجھ لیا کہ حج ابی بکر صدیقؓ کے ذی الحجہ کے بالمقابل بقول ان کے صحیح قمری مہینہ ذی قعدہ کا تھا اور یہ کہ اگلے سال حجۃ الوداع میں نسی والا ذی الحجہ اور خالص قمری تقویم والا ذی الحجہ دونوں اکٹھے ہوگئے تھے؟ یہاں رسول اکرم صلی اللہ ولیہ وسلم کے خطبے کے الفاظ ان الزمان قد استدار علی ھیئتہ سے استدلال نہایت کمزور بلکہ صریحاً غلط ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنے اس دن کی حالت پر آگیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا آپ ﷺ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا کہ نسی والا ذی الحجہ اور خالص قمری تقویم کا ذی الحجہ دونوں اکٹھے ہوگئے ہیں یہ غلط استنباط تو خود لوگوں نے اپنے طور پر کرلیا۔

(و) اگر لڑتے لڑتے عربوں کو دس مہینے ہوجاتے تھے اور پھر اشہر حرم کی تعداد کو پورا رکھنے کے لئے وہ کبھی کبھی سال کو چودہ مہینے کا بھی ٹھہرا لیتے تھے تو اس امکان کو کیسے مسترد کیا جاسکتا ہے کہ کبھی لڑتے لڑتے مثلاً گیارہ یا بارہ مہینے ہوجائیں تو وہ اگلے چار ماہ کو اشہر حرم قرار دے کر سال کو وہ پندرہ یا سولہ مہینوں کا نہ کرتے ہوں؟

(ز) اگر جنگ و جدال میں مصروف کچھ قبائل اپنے طور پر اشہرِ حُرم کو مقدم و مؤخر کرلیتے ہوں یا سال کو اپنے طور پر تیرہ بلکہ چودہ ماہ کا بنالیتے ہوں تو دیگر عرب قبائل، جنگ میں مصروف ان قبائل کے ناروا

فیصلے کے کیسے پابند ہو سکتے تھے اور قلمس یا ناسی کے منصب کا وقار ہی کیا رہا ہوگا؟ اس صورت میں تو عربوں کا تقویمی نظام اور اس پر مبنی کسی بھی واقعے کی توقیت سرے سے غیر معتبر اور نا قابل تسلیم ہوگی۔

یہاں اصل حقیقت یہ ہے کہ عربوں کی نسی والی (قمریہ شمسی) تقویم کے اولیں محرکات ہرگز عسکری نہیں بلکہ سراسر معاشی تھے۔ امام رازیؒ بجا طور پر تحریر فرماتے ہیں:

ان القوم علموا انهم لورتّبوا حسابهم على السنة القمرية فانّه يقع حجهم تارة فى الصيف و تارة فى الشتاء و كان يشق عليهم الاسفار ولم ينتفعوا بها فى المرابحات و التجارات ...... فعلموا انّ بناء الامر علىٰ رعاية السنة القمرية يخل بمصالح الدنيا فتركوا ذالك و اعتبروا السَّنة الشمسية ولمّا كانتِ السنة الشمسية زائدة على السنة القمرية بمقدار معيّن احتاجوا الى الكبيسة و حصل لهم بسبب تلك الكبيسة امر ان احدهما انهم كانوا يجعلون بعض السنين ثلثة عشر شهرا بسبب تلك الزيادات و الثانى انّه كان ينتقل الحج من بعض الشهور القمرية الى غيره۔ (۱۰۴)

بے شک (عرب) قوم نے سمجھا کہ اگر وہ اپنا حساب قمری سالوں کا رکھیں تو ان کا حج کبھی موسم گرما میں اور کبھی موسم سرما میں آپڑتا ہے (اس صورت حال میں موسم کی شدت اور دیگر اسباب کی بنا پر) ان کو سفر کرنے میں مشقت ہوتی تھی اور (پھر اس قمری تقویم کی وجہ سے) انہیں اپنی تجارتوں اور سودے بازیوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملتا تھا...... تو انہوں نے معلوم کیا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قمری سال کو ملحوظ رکھتے ہیں جس سے ان کے دنیوی مفادات خلل پذیر ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے اس (قمری سال) کو چھوڑ کر شمسی سال کو ملحوظ رکھا۔ چونکہ شمسی سال، قمری سال سے ایک معین مدت کے اعتبار سے زائد ہوتا ہے اس لئے وہ ''کبیسہ'' کے محتاج ہوئے۔ اس کبیسہ سے انہیں دو باتیں حاصل

ہوئیں ایک تو یہ کہ وہ بعض سالوں کے تیرہ مہینے بناتے تھے اور دوسرے یہ کہ حج بعض (متعین) قمری مہینوں سے دوسرے مہینوں میں منتقل ہو جاتا تھا (اور اپنے اصل موسم اور وقت سے ٹل جاتا تھا)۔

حج کے موقع پر عُکاظ اور ذو المجاز کے دو زبردست تجارتی میلے منعقد ہوا کرتے تھے۔ عربوں کے ہاں کوئی قابل قدر صنعت تو تھی نہیں کہ وہ ان میلوں میں اپنی تجارتی مصنوعات کو بڑی مقدار میں خرید و فروخت کے لئے لاتے۔ ان کی تجارت زیادہ تر کھجور کی فصل، اونٹوں اور بھیڑ بکریوں پر منحصر تھی۔ تازہ کھجوریں موسم گرما میں ہوتی ہیں چونکہ خالص قمری تقویم میں حج کے مہینے کوئی ۳۲ سالوں میں سارے موسموں گرما، سرما، بہار اور خزاں سے ہو کر گزرتے تھے اس لئے ان کے تجارتی مفادات شدید متاثر ہوتے تھے جس سے وہ نسی والی قمریہ شمسی تقویم کی جانب مائل ہوئے۔ اس لئے انہوں نے عرب میں آباد اپنے پڑوسی یہودی قبائل سے نسی کا طریقہ سیکھا اور ذی الحجہ کے مہینے کو عبرانی مہینے ایلول اور جیولین عیسوی مہینے اگست میں متعین کر دیا اور یہودیوں کی طرح اپنے قمریہ شمسی سال کا آغاز موسم خزاں سے کیا۔ نسی کا یہ مہینہ ۱۹ سالہ دور میں سات سالوں تیسرے، چھٹے، آٹھویں، گیارہویں، چودہویں، سترہویں اور انیسویں سال میں ڈالا جاتا تھا (۱۰۵) بعینہ یہی طریقہ عربوں نے اختیار کیا (۱۰۶) اور کبیسہ کا مہینہ ڈالنے کا فریضہ بنو کنانہ کے سپرد کیا گیا (۱۰۷) نسی کا مہینہ (کبیسہ) ڈالنے والے یہودی رہنما کو ناسی کہا جاتا تھا (۱۰۸) یہیں سے نسی کا تصور عربوں میں بھی آیا۔ نسی والے سال ۱۳، ۱۳ مہینوں کے ہوتے تھے اور انیس سالہ دور میں بارہ سال بغیر نسی کے اور سات سال نسی کے ہوتے تھے۔ کوئی بھی سال ہرگز چودہ مہینوں کا نہیں ہوتا تھا۔ کبیسہ کے مہینے کا نسی والے سالوں میں اعلان کرنے والوں کو قلامسہ اور نساۃ کہا جاتا تھا (۱۰۹) قلامسہ، قلمس کی جمع ہے جو عربوں میں سب سے پہلے ناسی کا نام تھا پھر ہر ناسی کو قلمس کہا جانے لگا اور نساۃ کا لفظ ناسی کی جمع ہے

جنگی مقاصد کے لئے نسی سے جو فائدہ زیادہ سے زیادہ اٹھایا جا سکتا تھا وہ صرف یہی تھا کہ مکبوس (نسی اور کبیسہ والے) سالوں میں نسی کے مہینے کو قُلمس کے ذریعہ مقدم و مؤخر کر دیا جائے مثلاً ابرہہ نے خانہ کعبہ پر حملہ جس سال کیا تھا وہ نسی والا سال ۵۵ قبل ہجرت قمری، ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی، ۵۶۹ عیسوی جیولین، ۴۳۳۰ خلیقہ (عبرانی) تھا (۱۱۰)۔ یہ ۴۳۳۰ خلیقہ عبرانی، ۲۲۸ ویں ۱۹ سالہ عبرانی دور کا سترہواں سال ہونے کی وجہ سے ایک مکبوس سال تھا۔ کبیسہ کے مہینے کا اعلان قُلمس یا ناسی ایام حج میں کیا

کرتا تھا ابرہہ نے چونکہ محرم کے مہینے میں حملہ کیا تھا (۱۱۱) اس لئے اس سے پہلے ذی الحجہ میں قلمس نے ابرہہ کے متوقع حملے کے پیش نظر غیر یقینی صورت حال پیدا ہونے کی بناء پر کبیسہ کا مہینہ معمول کے مطابق محرم کے بعد محرم کو مکرر لا کر نہیں ڈالا بلکہ بعد میں کسی مہینے غالباً ذی الحجہ کو مکرر لا کر ڈالا کیونکہ بعض محققین کے نزدیک اس مقصد کے لئے کبھی ذی الحجہ کو بھی مکرر لایا جاتا تھا (۱۱۲) یا مثلاً سال ۲ ہجری قمریہ شمسی مکبوس سال تھا۔ سریہ عبد اللہؓ بن جحش کے بعد قریش مکہ نے نہایت شدّ و مد سے مسلمانوں کو ناحق مطعون کرنا شروع کر دیا کہ انہوں نے حرمت والے مہینے رجب ۲ ہجری (قمریہ شمسی) کی حرمت کو پامال کیا ہے تو مسلمانون نے نسی کا مہینہ محرم کی بجائے شوال کے بعد شوال کو مکرر لا کر ڈال دیا کیونکہ مسلمان مشرکین کے ناسی یا قلمس کے فیصلے کے پابند نہیں تھے ہم نے ان سب امور کی وضاحت سال ۲ ہجری قمریہ شمسی کے توقیتی مباحث میں کر دی ہے (۱۱۳) یا مثلاً اسی قمریہ شمسی سال ۲ ہجری میں ابوسفیان نے اوائل ذی الحجہ ۲ ہجری قمریہ شمسی میں مدینہ منورہ سے قریب ایک مقام ''عریض'' پر حملہ کر کے کھجوروں کے ایک باغ کو آگ لگا دی اور ایک انصاری کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب پر ابوسفیان بھاگ نکلا اور اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یہ لوگ راستے میں اپنے ستو پھینک گئے۔ ستوؤں کو عربی میں سویق کہا جاتا ہے اس لئے یہ غزوہ، غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہوا اسکی تاریخ اہل سیر نے ۵ ذی الحجہ ۲ ہجری بیان کی ہے اور دن اتوار لکھا ہے (۱۱۴) جیسا کہ سال ۲ ہجری کے توقیتی مباحث میں مذکور ہو چکا یہ یقیناً قمریہ شمسی ذی الحجہ ہے (۱۱۵) قریش مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی اور ذی الحجہ حرمت والا مہینہ ہے اس سے پہلے یہ قریش مکہ سریہ عبد اللہؓ بن جحش کے سلسلے میں مسلمانوں پر رجب ۲ ہجری (قمریہ شمسی) کی بے حرمتی کا نہایت شدومد سے الزام عائد کرتے رہے تھے۔ لیکن سخت تعجب ہے کہ خود ابوسفیان نے ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے محترم مہینوں کی حرمت کو پامال کیا مگر مسلمانوں کی طرف سے اس سلسلے میں قریش مکہ کو بجا طور پر مطعون کرنا کتب سیرت میں مذکور ہی نہیں اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قریش مکہ نے بھی کبیسۂ محرم کو غالباً قلمس کے مشورے سے منسوخ کر کے کبیسہ کا مہینہ ذی الحجہ کے بعد ذی الحجہ کو مکرر لا کر ڈالا اور ذی الحجہ ثانی کو کبیسہ کا مہینہ قرار دیتے ہوئے اس میں جنگ کا جواز پیدا کر لیا۔ مسلمانوں نے قریش کو اس لئے مطعون نہ کیا کہ خود مسلمانوں نے کبیسہ کو محرم سے ہٹا کر شوال کے بعد لا ڈالا تھا۔ اگر ابوسفیان نے ذی الحجہ کو مکرر لا کر کبیسہ کا مہینہ ذی الحجہ کے بعد ڈالا تو مسلمانوں کے لئے اعتراض کا موقع نہ تھا یا مثلاً سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی مکبوس سال تھا لیکن حج ابی بکر صدیق کے موقع پر ذی الحجہ ۹ ہجری قمری میں مشرکین کے خلاف اعلانِ برأت ہو چکا تھا اور

مشرکین کو آئندہ کے لئے نہ صرف حج سے بلکہ کچھ مدت کے بعد حدود حرم کے اندر مقیم رہنے یا اس میں داخل ہونے سے بھی منع کر دیا گیا تھا لہٰذا کسی قلمس یا ناسی کے لئے ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ زمانہ جاہلیت سے چلے آرہے ذی الحجہ قمریہ شمسی میں کبیسہ ڈالنے کا اعلان کر پاتا اس لئے کچھ لوگوں نے اپنے طور پر کبیسہ کا مہینہ محرم کے بعد محرم کو مکرر لاکر ڈالا اور کچھ نے نہیں ڈالا۔ اگر کبیسہ کو محرم کے بعد ڈالا جائے تو سریہ خالدؓ بن ولید کا مہینہ ربیع الاول ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بنتا ہے ورنہ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بنتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض سیرت نگاروں مثلاً ابن سعد نے اسے ربیع الاول ۱۰ ہجری کا اور بعض سیرت نگاروں مثلاً ابن اسحٰق نے اسے ربیع الثانی ۱۰ ہجری کا واقعہ قرار دیا (۱۱۶) تاہم حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی قمریہ شمسی توقیت میں کبیسہ کو محرم کے بعد ڈالا گیا ہے۔ نیز سریہ علیؓ بن ابی طالب کا مہینہ اہل سیر نے جو رمضان ۱۱ ہجری لکھا ہے (۱۱۷) وہ قمری توقیت کے مطابق ہے جس کے بالمقابل قمریہ شمسی مہینہ ربیع الاول ۱۰ ہجری تھا جیسا کہ ہم قبل ازیں واضح بھی کر چکے ہیں اور یہی مہینہ سریہ خالدؓ بن ولید کا ہے پس یہ دونوں سرایا ایک ہی مہینے میں بھیجے گئے تھے جس سے معلوم ہوا کہ کبیسہ کے مہینے کو محرم کے بعد ڈالنا ہی معتبر قرار دیا گیا۔

مذکورہ بالا توضیحات سے یہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم ایک مربوط تقویم تھی غیر مکبوس سالوں میں مہینوں کے مقدم و مؤخر کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہ تھی البتہ مکبوس سالوں میں وہ کبیسہ کا مہینہ گو اکثر و بیشتر محرم کے بعد ڈالتے تھے لیکن کبھی دوسرے کسی مہینے مثلاً ذی الحجہ کے بعد بھی ڈال لیتے تھے اور یہ سب کچھ قلمس یا ناسی کے ذریعے ہوتا تھا۔ اس قمریہ شمسی تقویم میں محرم، رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے مہینوں کو اشہر حرم سمجھا جاتا تھا جن کا عرب بیحد احترام کرتے تھے اور مکبوس سالوں میں کبیسہ کے مہینے کو محرم یا کسی اور مہینے کے بعد ڈالنے کی ذمہ داری قلمس (ناسی) کی ہوتی تھی اور اس کے فیصلے سے ہرگز کوئی روگردانی نہیں کرتا تھا۔ عربوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ حرمت والے مہینوں کو ان کی اصل جگہ سے بدل کر ان کی بے حرمتی کر رہے ہیں بلکہ حجۃ الوداع کے موقع پر اس قمریہ شمسی تقویم کی منسوخی سے پہلے خود مسلمان بھی اس پر عمل پیرا تھے گو خالص قمری تقویم بھی مدینہ میں رائج تھی۔ اہل سیر نے تقریباً دو تہائی واقعات کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں اور تقریباً ایک تہائی کی قمری تقویم میں کی اور بہت سے واقعات کی توقیت کسی نے قمریہ شمسی میں اور کسی نے قمری میں کر دی اس طرح ان کی توقیت قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم میں ہوگئی، مثلاً غزوہ خیبر ابن ہشام کے نزدیک محرم ۷ ہجری میں اور واقدی و ابن سعد کے نزدیک جمادی الاولیٰ ۷ ہجری میں ہوا (۱۱۸) ابن ہشام وغیرہ کی یہ توقیت قمریہ شمسی کی اور واقدی وغیرہ

کی توقیت قمری تقویم کی ہے۔

کچھ لوگوں مثلاً علامہ ابن کثیرؒ اور دور حاضر کے اکثر حضرات نے نسی کا یہ مطلب لے رکھا ہے کہ جنگی مقاصد کی خاطر عرب مثلاً محرم کو صفر اور صفر کو محرم کی جگہ کر دیتے تھے۔ یہ اس لئے غلط ہے کہ اس صورت میں سال کے مہینے تو بارہ ہی رہیں گے۔ اگر عرب بعض سالوں کو تیرہ ماہ کا نہیں کرتے تھے تو سورہ توبہ میں اس مفہوم کی آیت کا نزول (معاذ اللہ) بے معنیٰ ہوگا کہ جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ رہی ہے (۱۱۹)۔ اللہ تعالیٰ نے نسی کو کفر میں اضافہ اس لئے قرار دیا ہے کہ دینی مقاصد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خالص قمری تقویم مقرر کی گئی تھی جس میں سال کبھی بھی تیرہ ماہ کا نہیں ہوتا بلکہ سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے۔ جب عربوں میں نسی کا رواج ہوا تو ۱۹ سالوں میں سات سال انہوں نے تیرہ تیرہ ماہ کے کر لئے اس سے تمام قمری مہینے بشمول اشہر حرم اپنی اصل جگہ سے ٹل جاتے تھے اور کوئی ۳۲ سالوں کے بعد اصل ٹھکانے پر آتے تھے۔ یہاں بعض سیرت نگاروں اور مفسرین کا یہ خیال بھی قطعاً غلط ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی ذی الحجہ اپنے اصل ٹھکانے پر آ گیا تھا اور یہ کہ اس سے ایک سال پہلے حج ابی بکر صدیقؓ کا ذی الحجہ ۹ ہجری قمریہ شمسی تھا اور اس کے بالمقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ ذی قعدہ ۹ ہجری قمری تھا۔ ہم اس کی پرزور مدلل تردید سابقہ سطور میں کر چکے ہیں۔ نسی کے معاملے میں اہل علم جس افراط و تفریط میں غیر شعوری طور پر مبتلا ہیں اس کی اصلاح بحمد اللہ ہم نے کر دی ہے۔

۱۰۔ غزوہ تبوک:

اس کی توقیت پر سیر حاصل بحث حج ابی بکر صدیقؓ کے عنوان کے تحت توقیتی و دیگر متعلقہ مباحث میں ہو چکی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس غزوے کے لئے روانگی عام حالات میں ۲۵ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۵ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری بمطابق ۴ اپریل ۶۳۱ عیسوی جیولین بروز جمعرات سے پہلے ممکن نہیں کیونکہ اسی مہینے حج ابی بکر صدیقؓ ہوا۔ مناسک حج سے فراغت پر اس دور کے ذرائع آمد و رفت کے لحاظ سے مدینے میں حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ساتھیوں کی مراجعت بمشکل ۱۸ تاریخ تک ہوئی ہوگی۔ چونکہ بقول اہل سیر غزوہ تبوک کے لئے روانگی جمعرات کے دن ہوئی تھی اس لئے ۱۸ تاریخ کے بعد اگلی جمعرات ۲۵ تاریخ کو تھی جس کے بالمقابل عیسوی تاریخ ۴ اپریل ۶۳۱ عیسوی جیولین تھی اپریل میں گرمی شروع ہو جاتی ہے اور غزوہ تبوک کے سلسلے میں جس شدت کی گرمی کا ذکر کیا جاتا ہے، اس

سے بھی پتا چلتا ہے کہ سفر موسم گرما کے آغاز پر ہوا۔ دوران سفر اور مراجعت کے وقت اس گرمی میں خاصی شدت پیدا ہو چکی تھی۔ جب آپ ﷺ کی غزوہ تبوک کے لئے روانگی اواخر رجب میں ہوئی اور ایام تبوک میں ہی اکیدر نصرانی کی جانب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا سریہ چاندنی راتوں میں بھیجا گیا تھا (۱۲۰) تو یہ چاندنی راتیں لامحالہ شعبان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق محرم ۱۰ ہجری قمری بمطابق اواخر اپریل ۶۳۱ عیسوی جیولین ہی کی ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا غزوہ تبوک سے مراجعت کا آغاز اواخر شعبان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اواخر محرم ۱۰ ہجری قمری بمطابق اواخر اپریل ۶۳۱ عیسوی جیولین سے پہلے عقلاً ممکن ہی نہیں واپسی کا یہ سفر کم وبیش پندرہ دنوں کا ہو تو مدینے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی تشریف آوری رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق صفر ۱۰ ہجری قمری بمطابق مئی ۶۳۱ عیسوی جیولین سے پہلے ممکن نہیں، چنانچہ اہل سیر نے یہی مہینہ مراجعت کا لکھا ہے (۱۲۱) یوں شعبان ۹ ہجری قمریہ شمسی کا پورے کا پورا مہینہ تبوک کی اس مہم کی نظر ہو گیا لہٰذا جس شعبان ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان ذوالنورین کی اہلیہ حضرت ام کلثوم ؓ کا مدینے میں انتقال ہوا اور رسول اکرم ؐ نے ان کی تجہیز وتکفین کا انتظام فرمایا اور خود نماز جنازہ پڑھائی یہ شعبان ۹ ہجری یقیناً قمری تقویم کا ہے اور یہ شبہہ درست نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے مدینے میں مراجعت شاید اواخر شعبان ۹ ہجری میں ہوئی ہو۔

۱۱۔ سریہ خالد ؓ بن ولید بجانب اکیدر نصرانی:

مذکورہ بالا توقیتی مباحث سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ سریہ شعبان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق محرم ۱۰ ہجری قمری کی چاندنی راتوں کا ہے۔ عیسوی مہینہ اواخر اپریل ۶۳۱ عیسوی جیولین ہے۔

۱۲۔ سریہ انہدام مسجد ضرار:

غزوہ تبوک سے مراجعت کے دوران مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے مقام ذی اوان سے یہ سریہ منافقین کی تعمیر کردہ مسجد ضرار کو منہدم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا لہٰذا یہ رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق صفر ۹ ہجری قمری بمطابق مئی ۶۳۱ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے۔

۱۳۔ وفات رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوہ تبوک سے مراجعت کے بعد شوال ۹ ہجری قمریہ شمسی

بمطابق ربیع الاول ۱۰ ہجری قمری بمطابق جون ۶۳۱ عیسوی جیولین میں عبداللہ بن ابی منافقین کا سردار مرض الموت میں مبتلا ہوا اور اگلے ماہ ذی قعدہ ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمری بمطابق جولائی ۶۳۱ عیسوی جیولین میں وہ فوت ہوا۔ علامہ ابن کثیر نے عبداللہ بن ابی کے مرض اور موت کے مہینے شوال اور ذی قعدہ ۹ ہجری بیان کئے ہیں (۱۲۲) زمنی ترتیب کے اعتبار سے یہ قمریہ شمسی مہینے ہیں تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۷ جون ۶۳۱ء	جمعہ	یکم شوال ۹ ہجری	یکم ربیع الاول ۱۰ ہجری	۵ جون	19:08
۷ جولائی	اتوار	یکم ذی قعدہ	یکم ربیع الثانی	۵ جولائی	06:47

۱۴۔ سریہ ابوسفیانؓ بن حرب و مغیرہؓ بن شعبہ (انہدام لات):

یہ سریہ اواخر سال ۹ ہجری کا ہے (۱۲۳) زمنی ترتیب کے لحاظ سے یہ قمریہ شمسی توقیت ہے۔ پس یہ سریہ اواخر ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ربیع الثانی / جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمری بمطابق جولائی / اگست ۶۳۱ عیسوی جیولین کا ہے۔

توقیتی جدول سال ۹ ہجری قمریہ شمسی، ۹۔۱۰ ہجری قمری، ۶۳۰۔۶۳۱ عیسوی جیولین

(اس کے آخر میں کچھ حصہ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی کا بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات کو سمجھنے میں سہولت ہو)۔

نمبر شمار	اہم واقعات و حوادث	قمریہ شمسی ہجری	دن	قمری ہجری	عیسوی جیولین
۱	وصولی صدقات کے لئے اکثر عاملین کا تقرر	محرم ۹ ہجری	ـ	جمادی الاخریٰ ۹ ہجری	ستمبر/ اکتوبر ۶۳۰ء
۲	سریہ عیینہؓ بن حصن فزاری	ایضا	ـ	ایضا	ایضا
۳	سریہ قطبہؓ بن عامر انصاری	صفر	ـ	رجب	اکتوبر/نومبر

۴	نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال	ایضا	ـ	ایضا	ایضا
۵	وفات ام کلثومؓ بنت رسول اللہ ﷺ	ربیع الاول	ـ	شعبان	نومبر/ دسمبر
۶	سریہ ضحاک بن سفیان	ایضا	ایضا	ایضا	ایضا
۷	سریہ علقمہؓ بن مجزز مدلجی	ربیع الثانی	ـ	رمضان	دسمبر ۶۳۰ عیسوی
۸	سریہ علی بن ابی طالب (مہم فلس)	ایضا	ـ	ایضا	ایضا
۹	حج ابی بکر صدیق (یوم عرفہ)	۹ رجب	منگل	۹ ذی الحجہ	۱۹ مارچ ۶۳۱ء
۱۰	ایضاً (یوم النحر)	۱۰ رجب	بدھ	۱۰ ذی الحجہ	۲۰ مارچ
۱۱	غزوہ تبوک (روانگی)	۲۵ رجب	جمعرات	۲۵ ذی الحجہ	۱۴ اپریل
۱۲	غزوہ تبوک (مراجعت)	رمضان	ـ	صفر ۱۰ ہجری	مئی
۱۳	سریہ خالدؓ بن ولید بجانب اکیدر	(ایام بیض شعبان)	اتوار تا منگل	(ایام بیض محرم ۱۰ ہجری)	۲۱ تا ۲۳ اپریل
۱۴	سریہ انہدام مسجد ضرار	رمضان	ـ	صفر	مئی
۱۵	مرض الموت رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی	شوال	ـ	ربیع الاول	جون
۱۶	وفات عبد اللہ بن ابی	ذی قعدہ	ـ	ربیع الثانی	جولائی
۱۷	سریہ ابوسفیانؓ و مغیرہؓ بن شعبہ (انہدام لات)	ذی قعدہ/ ذی الحجہ ۹ ہجری	ـ	ربیع الثانی جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری	جولائی/ اگست ۶۳۱ عیسوی
۱۸	چار ماہ جن کی مہلت مشرکین کو حجِ ابی بکرؓ کے موقع پر ۱۰ ذی الحجہ ۹ قمری ہجری کو دی گئی	(۱۰ رجب ۹ ہجری تا ۹ ذی قعدہ ۹ ہجری)	ـ	۱۰ ذی الحجہ ۹ ہجری تا ۹ ربیع الثانی ۱۰ ہجری	۲۰ مارچ ۶۳۱ء تا ۱۵ جولائی ۶۳۱ء

۱۹	جس تاریخ سے مشرکین کو حج سے پیشگی روکا گیا	(یکم شعبان ۹ ہجری)	منگل	یکم محرم ۱۰ ہجری	۱۹ اپریل
۲۰	جس تاریخ کو مشرکین فی نفسہ مباح الدم ہوئے اگر وہ حج سے باز نہ آئیں	(۱۰ ذی قعدہ)	منگل	۱۰ ربیع الثانی	۱۶ جولائی
۲۱	وہ تاریخ جب مشرکین کا حج قمریہ شمسی تقویم کے مطابق آرہا تھا	۱۰ ذی الحجہ	بدھ	۱۰ جمادی (الاولیٰ)	۱۴ اگست
۲۲	اشہر حرم جن کی مشرکین کے حق میں رعایت کی گئی اگر وہ حج سے باز رہیں	(۱۰ ذی قعدہ ۹ ہجری تا ۲۹ محرم ۱۰ ہجری)	ـ	۱۰ ربیع الثانی ۱۰ ہجری تا ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری	۱۶ جولائی تا ۲ اکتوبر ۶۳۱ عیسوی
۲۳	مزید مہلت جو مشرکین کو دی گئی تاکہ سب مشرکین ایک سطح پر آجائیں	(یکم محرم الثانی (کبیسہ) تا ۲۹ صفر ۱۰ ہجری)	ـ	یکم رجب ۱۰ ہجری تا ۲۹ شعبان ۱۰ ہجری)	۱۳ اکتوبر تا ۳۰ نومبر ۶۳۱ء
۲۴	مذکورہ مدت ختم ہونے پر سرایا کی روانگی				
	الف) سریہ خالدؓ بن ولید بجانب یمن	ربیع الاول ۱۰ ہجری	ـ	رمضان ۱۰ ہجری	دسمبر ۶۳۱ء
	(ب) سریہ علیؓ بن ابی طالب بجانب یمن	ایضا	ـ	رمضان	ایضا

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرآن الکریم: النساء۔ آیت ۹۴
۲۔ سیرۃ ابن ہشام ۲/۶۰۶۔ ۶۰۸ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ۔ مصر طبع ۱۳۵۵ ہجری ۱۹۳۶ میلادی)
۳۔ القرآن الکریم: یوسف۔ آیت ۹۱
۴۔ ایضاً۔ آیت ۹۲
۵۔ البدایۃ والنہایۃ ۴/ ۲۹۵۔ لابی الفداء حافظ ابن کثیر الدمشقی ۷۴۴ھ تحقیق احمد عبد الوھاب فتیح دار الحدیث۔ القاہرہ (مصر) طبع ۱۴۱۳ ہجری/۱۹۹۲ میلادی)
۶/۱۔ البدایۃ والنہایۃ ۴/ ۳۱۱
۶/۲۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ/ ج ۲، ص ۵۱۰، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ترجمہ علی بن ابی العاص/ ج ۲، ص ۶۸) بہامش الاصابۃ
۷۔ القرآن الکریم۔ سورہ توبہ آیت ۷۳
سورہ تحریم آیت ۹
۸۔ البدایۃ والنہایہ ۴/ ۳۵۶
۹۔ ایضاً ۴/ ۳۵۷
۱۰۔ ایضا
۱۱۔ صحیح بخاری عن ابن مسعودؓ (کتاب الکسوف)
۱۲۔ طبقات ان سعد عربی ۲/ ۱۳۱
۱۳۔ المغازی للواقدی ۲/ ۷۷۳ (محمد بن عمر بن واقدی المتوفیٰ ۲۰۷ ہجری۔ تحقیق دکتور مارسدن جونس۔ نشر دانش اسلام۔ ایران طبع رمضان ۱۴۰۵ ہجری
۱۴۔ البدایۃ والنہایۃ ۴/ ۱۶۸
۱۵۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۳۲، المغازی للواقدی/ ۱/ ۶۔ ج ۲، ص ۷۷۷
۱۶۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۳۳
۱۷۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۳۵، المغازی للواقدی ۲/ ۷۰۱
۱۸۔ المغازی للواقدی ۳/ ۸۸۹
۱۹۔ ایضاً ۳/ ۷۰۲
۲۰۔ ایضا
۲۱۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۵۰، المغازی للواقدی ۳/ ۸۸۹، ۱/ ۶
۲۲۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۵۶
۲۳۔ ایضا ۲/ ۱۴۵
۲۴۔ ایضا
۲۵۔ ایضا ۲/ ۱۴۶
۲۶۔ ایضا ۲/ ۱۴۷
۲۷۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۵۰، المغازی للواقدی ۱/ ۶، ۳/ ۸۸۹
۲۸/۱۔ ایضا
۲۸/۲۔ طبقات ۲/ ۱۵۷
۲۸/۳۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۵۸
۲۹۔ ابن ہشام بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۴/ ۱۳۵
۳۰۔ البدایۃ والنہایہ ۴/ ۳۶۴، ۵/ ۲۹۳
۳۱۔ صحیح بخاری عن ابن مسعودؓ (کتاب الکسوف)
۳۲۔ رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۰۶، ۱۰۸، (قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ طبع ذی الحجہ ۱۴۱۱ ہجری۔ دار الاشاعت اردو بازار۔ کراچی

۳۳۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۹۴

۳۴۔ رحمۃ للعالمین ۲/۱۰۶

۳۵۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر عسقلانی ۱/۲۳۲ (مطبع السعادۃ۔ مصر۔ طبع اول ۱۳۲۸ ہجری)

۳۶۔ ایضا ۱/۱۰۹

۳۷۔ ایضا ۱/۲۳۲

۳۸۔ صحیح بخاری ۲/۶۲۴

۳۹۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۷۷

۴۰۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ ۳/۱۰۳ شائع کردہ فرید بک ڈپو اردو مارکیٹ جامع مسجد۔ دہلی طباعت ۱۴۱۸ ہجری۔ ۱۹۹۸ میلادی)

۴۱۔ صحیح بخاری ۲/۶۲۵، حواشی صفحہ ہذا ۶۱، ۷

۴۲۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ ابن عبد البر مالکی اندلسیؒ ۴/۴۸۷ (بھامش الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ مطبع السعادۃ مصر۔ طبع اول ۱۳۲۸ ہجری)

☆ تفسیر قرطبیؒ ۱۴/۲۴۳ بحوالہ عثمانؓ۔ شخصیت و کردار مصنفہ حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی طبع اول فروری ۱۹۹۱ء کتب خانہ مجیدیہ۔ ملتان (ص ۲/۵۰۵)

۴۳۔ صحیح بخاری ۱/۱۷۱

۴۴۔ عمدۃ القاری ۸/۷۹ بحوالہ عثمانؓ۔ شخصیت و کردار ۲/۵۰۴

۴۵۔ میزان الاعتدال للذھبی بحوالہ مذکورہ بالا

۴۶۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۹

۴۷۔ تحفہ اہلسنت ص ۳۲۔ ۴۳ (مقدمہ تفسیر آیات خلافت شائع کردہ۔ مکتبہ امدادیہ ملتان)

۴۸۔ طبقات ابن سعد ۲/۱۶۵

۴۹۔ القرآن الکریم۔ التوبۃ۔ ۷۴

۵۰۔ ایضا۔ الاحزاب۔ ۲۴

۵۱۔ الرحیق المختوم مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری صفحہ ۵۷۴۔ (المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ۔ لاہور)

۵۲۔ طبقات ابن سعد ۲/۱۶۰، المغازی للواقدی ۱/۷

۵۳۔ طبقات ابن سعد ۲/۱۶۲، المغازی للواقدی ۳/۹۸۱

۵۴۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۹

۵۵۔ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ۱/۱۰۹

۵۶۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۳۹، طبقات ابن سعد ۸/ ۲۵ تحت ذکر ام کلثومؓ

۵۷۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۹

۵۸۔ المحبّر ص ۱۱۶ (کتاب المُحبّر لابی جعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ ہجری۔ دار النشر الاسلامیۃ ۔۲۔ شیش محل روڈ۔ لاہور

۵۹۔ طبقات ابن سعد ۲/۱۶۲، المغازی للواقدی ۳/۹۸۲

۶۰۔ طبقات ابن سعد ۲/۱۶۳، المغازی ۳/۹۸۳

۶۱۔ طبقات ابن سعد ۲/۱۶۴، المغازی للواقدی ۳/۹۸۴

۶۲۔ البدایۃ ۵/ ۲۹، المحبّر ص ۱۱۶

۶۳۔ البدایۃ والنہایۃ ۳/۵
۶۴۔ ایضا ۴/۵
۶۵۔ القرآن الکریم۔ التوبۃ ۸۱
۶۶۔ البدایۃ والنہایۃ ۹/۵
۶۷۔ صحیح بخاری ۲۳۴/۱، تفسیر کبیر ۲۲۰/۱۵ تفسیر ابو السعود ۴۱/۴، تفسیر روح المعانی ۴۴/۱۰، ۹۰ (تفسیر کبیر امام رازی الطبعۃ الثالثۃ دار احیاء التراث العربی بیروت) تفسیر ابو السعود العمادی دار احیاء التراث العربی۔ بیروت) (تفسیر الکبیر۔ امام رازیؒ دار احیاء التراث العربی۔ بیروت طبع ثالث (تفسیر روح المعانی علامہ محمود آبادی بغدادی۔ المکتبۃ الرشیدیۃ لاہور)۔
۶۸۔ تفسیر کبیر ۲۱۸/۱۴۔ ابن جریر طبری بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۳۸/۵
۶۹۔ القرآن الکریم۔ التوبۃ۔ ۳۷
۷۰۔ المحبّر ص ۱۱۶
۷۱۔ طبقات ابن سعد ۱۶۷/۲، البدایۃ والنہایۃ ۷/۵
۷۲۔ الدرّ المنثور ۱۰۸/۴ بحوالہ نقوش ۷۰/۲ (نقوش سیرت نمبر جلد دوم کا مضمون توقیت السیرۃ النبویۃ الحق النبی علوی۔ مدیر محمد طفیل طبع دسمبر ۱۹۸۲ ادارہ فروغ اردو۔ لاہور)
۷۳۔ تفسیر کبیر ۲۱۸/۱۵، طبری بحوالہ البدایۃ و النہایۃ ۳۸/۵
۷۴۔ القرآن الکریم۔ التوبۃ۔ ۴۰
۷۵۔ تفسیر قرطبی ۸۴/۸ بحوالہ تفسیر معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ۲۹۳/۳ (طباعت مئی ۱۹۸۲ء۔ مکتبہ عثمانیہ بیت الحماد جامعہ اشرفیہ لاہور)
۷۶۔ ایضا
۷۷۔ المغازی للواقدی ۱۰۲۵/۳
۷۸۔ تفسیر کبیر ۲۲۰/۱۵
۷۹۔ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ، نومبر ۱۹۹۹ء۔ زوار اکیڈمی۔ ناظم آباد کراچی (صفحات ۲۳۹۔۲۴۹)
۸۰۔ صحیح بخاری عن ابن مسعودؓ باب الکسوف
۸۱۔ رحمۃ للعالمین ۱۰۶/۲، ۱۰۸
۸۲۔ ایضا ۱۰۶/۲
۸۳۔ البدایۃ والنہایۃ ۲۹۳/۵، ۳۶۴/۴
۸۴۔ طبقات ابن سعد ۱۵۶/۲
۸۵۔ ایضا ۱۶۹/۲
۸۶۔ المغازی للواقدی ۱۰۷۹/۳
۸۷۔ جمع الفوائد جلد دوم حدیث رقم ۶۶۸۰ (جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد تالیف الامام محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی المغربی المتوفی ۱۰۹۴ ہجری مکتبۃ الاسلامیۃ۔ سمندری لائل پور حال فیصل آباد)
۸۸۔ تفسیر ابو السعود ۴۱/۴، روح المعانی ۴۴/۱۰
۸۹۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۳۰۹/۴۔۳۱۱
۹۰۔ القرآن الکریم: التوبۃ۔ ۲۸۔
۹۱۔ روح المعانی ۷۷/۱۰
۹۲۔ معارف القرآن مولانا کاندھلویؒ ۲۸۶/۳، تفسیر ابو السعود ۴۲/۴، البدایۃ والنہایۃ ۳۷/۵
۹۳۔ صحیحین، ابو داؤد، نسائی بحوالہ جمع الفوائد ۳۰۵/۱ حدیث رقم ۳۳۴۹

۹۴۔ دی کرونو لوجی آف دی ایشنٹ نیشنز انگریزی ترجمہ الآثار الباقیۃ۔ ابو ریحان البیرونیؒ صفحات ۷۳۔۷۴۔ (ہجرہ انٹر نیشنل پبلیشرز طبع ۱۹۸۳)

۹۵۔ البدایۃ والنھایۃ ۵/ ۳۸

۹۶۔ القرآن الکریم: البقرۃ ۱۰۶

۹۷۔ تفسیری حواشی شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ آیت نسی حاشیہ ۳ صفحہ ۲۵۵

۹۸۔ القرآن الکریم: البقرہ۔ ۱۹۴

۹۹۔ معارف القرآن مولانا کاندھلویؒ ۳/ ۳۲۷

۱۰۰۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ ۴/ ۳۷۱

۱۰۱۔ تفسیر ابوالسعود ۴/ ۶۴، روح المعانی ۱۰/ ۹۳

۱۰۲۔ تفسیر معارف القرآن کاندھلویؒ ۴/ ۳۲۷

۱۰۳۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۵۶

۱۰۴۔ تفسیر کبیر ۱۶/ ۵۶، جمع الفوائد ۲/ ۱۵۷ روایت رقم ۶۹۹۷

۱۰۵۔ انسائیلو پیڈیا برٹانیکا ایڈیشن ۴۷۔۱۹۷۳ ۳/ ۵۹۸۔ ۶۰۰، ۱۰/ ۲۱۸ رحمۃ للعالمین ۲/ ۳۹۴

۱۰۶۔ کولیرز انسائیکلو پیڈیا۔ طبع ۱۹۸۶ء ۵/ ۱۴۰۵، الآثار الباقیۃ عربی ص ۶۳۔ ۶۴ انگریزی ترجمہ ص ۷۳۔۷۴

۱۰۷۔ سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۱۶۴۔ ۱۶۵ بعنوان امر الفیل وقصۃ النساۃ

۱۰۸۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۰/ ۲۱۸ ابن اسحٰق بحوالہ مختصر تفسیر ابن کثیر ۲/ ۱۴۲۔۱۴۳ (اختصار و تحقیق محمد علی الصابونی۔ دار القرآن الکریم بیروت)

۱۱۰۔ السیرۃ، عالمی، شمارہ نمبر ۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ ہجری، نومبر ۱۹۹۹ء، صفحات ۲۶۶، ۲۷۳

۱۱۱۔ ایضا

۱۱۲۔ شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص ۴۰۹ (مرتبہ ایچ۔ آر۔ گب و جے۔ ایچ کریمز طبع ۱۹۶۳ء)

۱۱۳۔ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۴ ہجری، اکتوبر ۲۰۰۳ء۔ صفحات ۱۹۳۔۱۹۵

۱۱۴۔ ایضا۔ صفحات ۲۰۵۔۲۰۶

۱۱۵۔ ایضا

۱۱۶۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۶۹، ابن اسحٰق بحوالہ البدایۃ والنھایۃ ۵/ ۹۴

۱۱۷۔ المغازی للواقدی ۳/ ۱۰۷۹

۱۱۸۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۰۶، سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۳۴۲

۱۱۹۔ القرآن الکریم: التوبۃ۔ ۳۶

۱۲۰۔ المغازی للواقدی۔ ۳/ ۱۰۲۵ البدایۃ و النھایۃ ۵/ ۱۷

۱۲۱۔ البدایۃ والنھایۃ ۵/ ۲۹

۱۲۲۔ ایضا ۵/ ۳۴

۱۲۳۔ ایضا ۵/ ۳۲